www.KitaboSunnat.com

رشید رضا کا خیال تھا کہ جو لوگ اسلام کی تعلیم و تبلیغ میں مصروف ہوں، انہیں سیاست میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں مصر کے قوم پرست رہنماؤں کی سیاست پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ "یہ لوگ ایک مسلمان اور عرب کو (جو دنیائے اسلام میں مرتبے کے اعتبار سے فوقیت رکھتا ہے) جو ان لوگوں کے ملک کا باشندہ نہ ہو، اجنبی اور غیر ملکی سمجھتے ہیں اور اس طرح حجاز یا شام کا شریف ان کے نزدیک چین کے کسی بت پرست سے بہتر نہیں ہے۔ رشید رضا کو ترکی جدید کے بانی مصطفیٰ کمال پاشا کی کامیابی نے بھی سخت مایوس کیا۔ وہ مصر اور ترکی کے قوم پرستوں کے سیاسی نظریات کے سلسلے میں کسی مفاہمت پر آمادہ نہ ہوئے اور انہیں صاف صاف ملحد و زندیق قرار دیا، اس لیے کہ ان کی قوم پرستی کی بنیاد مذہب پر نہیں ہے۔

تحریک اخوان المسلمین کے بانی شیخ حسن البناء شہید

مارچ 1928ء (ذی قعدہ 1347ھ) میں حسن البناء نے اپنے مکان پر حافظ عبدالمجید، احمد الحصری، فواد ابراہیم، عبدالرحمٰن حسب اللہ، اسماعیل عز اور ذکی مغربی سے ملاقات کی۔ یہ چھ غیور مسلمان جذبۂ عمل سے سرشار تھے اور اسلام کی سربلندی کے لیے کسی "عملی پروگرام" کے طالب تھے۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے حسن البناء کو اپنا مرکز نظر بنایا اور اصلاحی کام کا منصوبہ پیش کر کے ان پر رہنمائی اور قیادت کی ذمہ داری ڈال دی۔ موصوف نے پوری کشادہ دلی کے ساتھ کہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے مسلسل اور ان تھک جدوجہد کریں گے۔ سوال پیدا ہوا کہ کس نام سے ہم اپنے کو موسوم کریں؟ انجمن، کلب، سلسلہ، یونین، ایسوسی ایشن یا کچھ اور، تاکہ ہم ایک قانونی حیثیت (رجسٹریشن) حاصل کر سکیں، جس کا جواب حسن البناء کی طرف سے یہ تھا کہ نہ یہ، نہ وہ۔ اسماء و مظاہر پر ہماری توجہ نہ ہونی چاہیے۔ ہمارے اس پہلے اجتماع کی بنیاد ایک مخصوص طرز فکر اور عملی و معنوی حقائق ہونا چاہئیں۔ ہم اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا ہم "اخوان المسلمین" ہیں اور یہ کافی ہے۔

اس طرح باتوں باتوں میں اچانک جو خیال آیا تھا، وہ بیسویں صدی کی، دنیائے اسلام کی سب سے بڑی احیائی تحریک کا مستقل نام ہو گیا۔ تحریک کے اندر داخل ہونے سے پہلے مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قائد اول اور بانی حسن البناء کے ذاتی حالات کی جستجو کی جائے۔

آپ کا بچپن اور ابتدائی تعلیم

حسن البناء اکتوبر 1906ء میں محمودیہ کے ایک مایہ ناز علمی و ادبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ محمودیہ کا قصبہ قاہرہ کے شمال مغرب میں 144 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ کے والد احمد بن عبدالرحمٰن البناء (متوفی 1960ء) جامعہ الازہر کے فارغ التحصیل، عالم دین، حدیث، فقہ اور دینی علوم پر گہری نظر رکھتے تھے۔ علم حدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر پانچ کتب کے مصنف تھے۔ان میں ایک کتاب 23 جلدوں پر مشتمل ہے۔آپ کی متعدد کتب مثلاً ''فتح الربانی فی ترتیب مسند امام احمد شبانی، بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی، منتحہ المسعود اور قصص الاسلامیہ، وغیرہ علمائے دین سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔احمد البناء مفتی محمد عبدہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔آپ کی ذاتی لائبریری میں مذہب، اسلامی قانون، فقہ، نحو، حدیث اور علم الکلام وغیرہ پر مشتمل کتب کا نہایت قیمتی اور نادر ذخیرہ موجود تھا، جو آپ کی اولاد خصوصاً حسن البناء کے کام آیا۔آپ قصبے کی مسجد کے امام اور خطیب تھے۔فارغ وقت میں گھڑی سازی کا کام کرتے تھے۔آپ کے حلقۂ احباب میں مصطفیٰ المراغی اور محب الدین الخطیب جیسی معتبر علمی شخصیات شامل تھیں۔

احمد البناء اپنے بیٹے حسن البناء کے بچپن کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''ایک عرصے تک میرے یہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا، یہاں تک مجھے بچے کی تمنا ہونے لگی۔تب میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ایک صالح فرزند عطا فرمائے۔اس زمانے میں میری نظر ایک چھوٹے سے بچے پر پڑی جو نماز پڑھ رہا تھا۔وہ مجھے بہت ہی پیارا لگا۔تب میں نے مزید دعا کی کہ میرا بچہ ایسا ہی نماز پڑھنے والا ہو جیسے یہ بچہ پڑھ رہا ہے اور ہر لحاظ سے بہت ہی حسن (اچھا) ہو۔میری دعا قبول ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بچہ عنایت فرمایا اور میں نے اس کا نام حسن رکھا، اس لیے کہ جب میری شادی ہوئی تھی تو میری والدہ نے میری بیوی کو ''ام حسن'' کہہ کر پکارا تھا۔یہ بچہ جب چار سال کا ہوا تو میں نے اس کو قرآن پڑھانا شروع کر دیا۔وہ برابر ترقی کرتا گیا، یہاں تک کہ تین سیپاروں کے علاوہ باقی تمام قرآن مجید حفظ کر لیا۔میں نے ارادہ کیا کہ اس کو دمنہور کے ابتدائی سکول ''مدرسہ المعلمین'' میں داخل کرادوں۔

دمنہور محمودیہ کے جنوب مغرب میں 21 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ابتدائی سکول تو محمودیہ میں بھی تھا، لیکن دمنہور کا سکول علاقے میں زیادہ مقبول اس لیے تھا کہ اس کے پرنسپل استاد بشیر الاسوتی موسیٰ تھے۔

احمد البناء مزید لکھتے ہیں: ''میں نے ایک دن حسن کو بلایا۔وہ بڑا ہی سعید اور فرماں بردار بچہ ہے۔میں نے اس سے کہا کہ بیٹا میں چاہتا ہوں کہ تم کو ''مدرسۃ المعلمین'' میں داخل کرادوں، لیکن وہاں صرف ان بچوں کو داخل کرایا جاتا ہے جو حافظ قرآن ہوں، لیکن تمہارا حفظ قرآن ابھی پورا نہیں ہوا۔بتاؤ کیا ہونا چاہیے؟ اس نے کہا: ابا جان جو آپ کی مرضی ہو۔میں اس کے لیے تیار ہوں۔میں نے کہا، ایک تختی لے آؤ۔پھر میں تختی پر چند آیات لکھ کر دے دیتا تھا اور حسن یاد کر لیتا تھا۔یہاں تک کہ بہت تھوڑے عرصے میں اس نے بقیہ تین پارے بھی حفظ کر لیے، اور وہ مدرسے میں داخل ہو گیا''۔

داخلے کے وقت حسن کی عمر آٹھ سال تھی۔''مدرسۃ المعلمین'' دراصل ''مدرسہ ارشاد دینیہ'' کے تحت پرائمری سطح کا سکول تھا۔یہ 1905ء میں استاد محمد زہران نے قائم کیا تھا۔استاد محمد زہران کا شمار مصر کی ممتاز شخصیات میں ہوتا تھا۔حسن کی شخصیت اور کردار سازی کی تکمیل میں استاد زہران کی تربیت نے مرکزی کردار ادا کیا۔ان کے علاوہ رشید رضا، فرید واحدی اور محب الدین الخطیب کی تحریروں سے بھی آپ متاثر تھے۔''مدرسہ ارشاد'' کے طالب علمی کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوران ایک ... تعہ ہوا۔ حسن ایک دن نہر محمودیہ کے کنارے سیر و تفریح کے لیے گیا۔ وہاں اس نے ایک بادبانی کشتی کے مستول پر ... یزاں، خلاف تہذیب، ایک ننگی عورت کا مجسمہ دیکھا۔ اس کے اندر غصے اور بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ ... فوراً پولیس اسٹیشن پہنچا اور کہا کہ یہاں ایسے مجسموں کا نصب ہونا کسی طرح مناسب نہیں۔ ... بچے کی اس ایمانی غیرت سے بہت متاثر ہوا۔ اس کے مطالبے پر لبیک کہتا ہوا فوراً موقع پر پہنچا کشتی کے مالک کو ... اور مجسمہ فوراً اتارنے کا حکم دیا۔ اس طرح دس برس کا بچہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسن البناء میں قیادت کی صلاحیت بچپن ہی سے ودیعت کی گئی تھی۔ چنانچہ پرائمری کے بعد مڈل کلاس میں بھی وہ اپنے ساتھیوں میں سب سے آگے تھے اور طلبہ کی قیادت کے لیے نامزد تھے۔ جس وقت مدرسے میں "انجمن اخلاق حسنہ" کی تشکیل ہوئی تو ان کے ساتھی طلبہ نے انہی کو اس انجمن کا صدر منتخب کیا۔

حسن نے سکول سے باہر بھی ایک اور انجمن بنائی جس کا نام "انجمن انسداد محرمات" رکھا، جس کا میدان عمل اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ ہر ایسے شخص کو خط و کتابت کے ذریعے متنبہ کیا جاتا جو محرمات کا مرتکب ہوتا اور شعائر اسلامی کو ٹھیک ٹھیک ادا نہیں کرتا تھا۔

ان کے والد احمد البناء نے "مدرسہ ارشاد دینیہ" کی تعلیم کے دوران اپنے بیٹے کو شیخ عبدالوہاب حصافی کی طرف رجوع کیا۔ گویا وہ تصوف کے سلسلہ حصافیہ وشاذلیہ میں بیعت ہوئے۔ حسن نے اپنے حصافی بھائیوں کے ساتھ مل کر "انجمن حصافیہ اصلاحیہ" قائم کی اور خود اس انجمن کے معتمد کے فرائض انجام دیے۔ اس انجمن کے دو بنیادی مقاصد تھے

1۔ اخلاق حسنہ اختیار کرنے اور پھیلانے کی دعوت، منکرات اور محرمات کا انسداد۔

2۔ مسیحی تبلیغی انجمنوں کا مقابلہ جو شہر میں علاج، تعلیم، کشیدہ کاری اور بچوں اور بچیوں کی امداد کے بہانے عیسائیت کا پرچار کر رہی تھیں۔

حسن البناء جب مدرسے کے آخری سال میں تھا تو قاہرہ میں دارالعلوم (قائم شدہ 1872ء) کی نئی تنظیم ہوئی۔ نئی تنظیم کے وقت نصاب میں علوم عربیہ کے علاوہ علوم جدیدہ بھی شامل کئے گئے۔ ان کے والد نے سوچا کہ حسن کو دارالعلوم میں داخل کرایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے بیٹے سے مشورہ کیا تو پھر آخری رائے یہ ہوئی کہ یہ سال یہیں پورا کر لیا جائے۔ اور پورا سال دارالعلوم میں داخلے کے لیے پوری تیاری کی جائے۔ اس کے لیے انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ علوم نقلیہ (یعنی حدیث، فقہ وغیرہ) میں تیاری آپ کرا دیں اور علوم عقلیہ (ریاضی، اقلیدس وغیرہ) میں خود تیاری کرلوں گا۔ اور پھر وہ قاہرہ چلے گئے۔

جب حسن قاہرہ آئے تو مدرسہ "دارالعلوم العلیا" میں داخل ہوئے جو اب دارالعلوم کالج، قاہرہ یونیورسٹی کہلاتا ہے۔ یہاں آتے ہی "جمعیۃ مکارم اخلاق اسلامیہ" میں شامل ہو گئے۔ اس وقت قاہرہ میں یہ تنہا ایک دینی جماعت تھی۔ حسن پابندی سے اس جمعیت کے لیکچروں اور دوسری سرگرمیوں میں شریک ہوتے رہے، اور بعض مساجد میں ممتاز باعمل علماء کے مواعظ میں حاضری دیتے رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن قاہرہ میں ان کو فسق و فجور، عام معاشی انتشار اور اسلامی اخلاق سے بیگانگی نظر آئی۔ اس سے ان کو احساس ہوا کہ صرف مساجد کی دینی تعلیم لوگوں تک عام کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ اس موقع پر ان کی تخلیقی عقلیت اور جدت طرازی ظاہر ہوئی کہ عام لوگ جو مسجدوں میں نماز کے لیے نہیں آتے، وہ وعظ و نصیحت کے لیے مسجد میں آنے والوں سے زیادہ ضرورت مند ہیں، جب کہ ان کی تعداد بھی نمازیوں سے بہت زیادہ ہے۔ یہ لوگ دین اسلام سے بالکل بے تعلق اور پند و مواعظ سے بیگانہ ہیں، لہٰذا کیوں نہ ہم خود دعوتِ اصلاح لے کر ان کے پاس جائیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے دار العلوم کے بعض ساتھیوں اور کچھ جامعہ الازہر کے دوستوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی چائے خانوں اور پبلک سوسائٹیوں، حلقوں اور انجمنوں میں جا کر دعوت پیش کی جائے۔ پہلے پہل تو احباب کو اس خیال پر بہت تعجب ہوا اور ناپسند کیا، لیکن قرار یہ پایا کہ اس کے قبول یا عدم قبول کا فیصلہ تجربے پر موقوف رکھا جائے۔ چنانچہ تجربہ کیا گیا اور پہلے قدم ہی پر کامیاب رہا۔ اس سے آئندہ عمل کے لیے ہمت افزائی ہوئی۔ احباب کی ایک جماعت گرمیوں کی تعطیلات میں شہروں اور دیہات میں دعوت پھیلانے کے لیے تشکیل دی گئی۔ اس جماعت کی سرگرمیوں کے نتیجے میں ایک طرف تو دعوت دینے والوں کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوئی اور دوسری طرف عوام میں مقبولیت اور نیک نامی حاصل ہوئی۔

انہی دنوں ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کے انقلاب، خلافت کے خاتمے اور دین و سلطنت کی علیحدگی کے نتیجے میں مصر میں لادینیت اور آزادی کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ ''ڈیموکریٹک پارٹی'' کی بنیاد رکھی گئی جو منصۂ وجود میں آنے سے پہلے ہی زیر زمین ہو گئی۔ اس کا پروگرام آزادی اور جمہوریت کے سوا کچھ اور نہ تھا، اور آزادی اور جمہوریت کی دعوت اس وقت اخلاقی آوارگی اور بے حیائی کے پھیلاؤ اور نشر و اشاعت کا دوسرا نام تھا۔ روزنامے، ماہنامے اور کتابیں ابلنا شروع ہو گئیں جن کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ دین کے اثر کو کمزور کیا جائے، مصریوں کے سینے ایمان سے یکسر خالی کر دیے جائیں، تا کہ ''ڈیموکریٹک پارٹی'' کے اغراض و مقاصد کے مطابق اہل مصر فکری و عملی آزادی سے بہرہ مند ہو سکیں۔

بے دینی کے اس سیلاب کا اسلامی حلقوں میں بالعموم اور حسن البناء کے دل پر بالخصوص گہرا اثر ہوا۔ حسن اپنے ملنے جلنے والوں اور علماء و شیوخ میں جہاں جہاں وہ پہنچ سکتے تھے، اپنے خیالات کا برملا اظہار کرتے اور اپنے دل کا درد ان کے سامنے رکھتے اور پوچھتے کہ مداوا کیا ہے؟ اس ضمن میں وہ سید رشید رضا، شیخ وجودی، شیخ محمد خضر حسین اور سید محب الدین خطیب جیسے اکابرین سے ملتے اور لادینیت کا مقابلہ کرنے کے لیے فعال، مثبت اور تعمیری تحریک چلانے پر زور دیتے۔ بالآخر ان کی یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور اس طرح مجلہ ''الفتح'' کا اجرا ہوا اور پھر ''جمعیۃ الشبان المسلمین'' وجود میں آئی۔ یہ جمعیت وائی ایم سی اے کے طرز پر مصر کی وسیع ترین تہذیبی، ثقافتی اور اسلامی انجمن ہے جس کی شاخیں نہ صرف مصر کے مختلف شہروں اور قصبوں، بلکہ مصر سے باہر اکثر ممالک میں پھیلی ہوئی ہیں، اور وہ مصر کے متوسط اور اونچے طبقے کے افراد کو اسلام سے قریب لانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

دار العلوم کے آخری سال 1927ء میں آپ کو جو مقالہ تحریر کرنے کے لیے دیا گیا، اس کا عنوان سوالیہ تھا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تکمیل تعلیم کے بعد تیری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟'' اس کے جواب میں حسن البناء نے جو مقالہ تحریر کیا، اس میں انہوں نے اپنے مستقبل کا نقشہ پوری صراحت کے ساتھ پیش کر دیا تھا۔

''اخوان'' کی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز

اس طرح ''اخوان المسلمین'' ایک مستقل نام بن گیا۔ وہ چھ افراد جنہوں نے مارچ 1928ء میں حسن البناء کے مکان پر ''اخوان'' کی تشکیل کی تھی، وہ اسلامی طرز فکر اور طریقۂ حیات کے حامی و حامل تھے۔ حسن البناء اس کے بعد مسلسل ''اخوان'' کی دعوت دیتے رہے۔ وہ اپنی دعوت میں کسی قسم کے اعلان اور پروپیگنڈے کے بغیر، خاموشی مگر مستقل مزاجی کے ساتھ مشغول رہے۔ اس طرح انہوں نے کافی لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیا۔ ان کے گہرے خلوص اور تحریک کے مقاصد سے محبت کی بدولت دعوت تیزی سے پھیلنے لگی۔ کامیابی ان کو پیہم کوشش کے لیے ابھارتی رہی۔ تحریک سے گہری وابستگی اور گرم جوشی ان کے دائرۂ عمل کو وسیع تر کرنے اور پوری زندگی اس پر وقف کر دینے کے لیے آمادہ کرتی رہی۔ چنانچہ انہوں نے کوئی قصبہ اور گاؤں نہ چھوڑا۔ ہر جگہ گئے، قیام کیا۔ وہاں کے لوگوں سے مساجد میں، گھروں میں ملے، لیکن مسجد بہرحال ان کی مرکزی قیام گاہ رہی، کیونکہ مسجد ہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں نمازی، مدرس اور واعظ پر کوئی معترض نہ ہو سکتا تھا۔

حسن البناء کا طریقِ دعوت

ان کے دعوتی سفر ہفتہ وار اور سالانہ گرمیوں کی تعطیلات میں ہوا کرتے تھے۔ ہفتہ وار تعطیل میں قریب کے شہر، اور دوسری بڑی چھٹیوں میں دور کے شہر۔ بیرونی دعوتی سرگرمیوں کی مدت میں وہ اپنے سرکاری سکول میں پابندی کے ساتھ تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ انہوں نے کبھی کسی بیماری یا نا گہانی ضرورت کا بہانہ نہیں کیا۔ سکول کی جبری اور سرکاری مصروفیت نے ان میں پختگی اور خاموش عمل کی عادت پیدا کر دی۔ بے تکلف فطری سادگی اور انکسار کے ساتھ ساتھ تدریس کی پابندی نے ان کو حاسدوں (جن کی تعداد بہت زیادہ تھی) کے حسد و کینہ پروری سے محفوظ رکھا جن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ ان کے سوا کسی دوسرے کی آواز بلند نہ ہو۔

حسن البناء کی دعوت پر لبیک کہنے والے اول اول زیادہ تر مزدور پیشہ لوگ تھے۔ مزدور حلقوں میں دعوت کی کامیابی میں ان کی عوام پسندی اور سادہ طبیعت کو بہت دخل تھا، کیونکہ وہ ہر گروہ کو اس کے مزاج کے مطابق مناسب اسلوب میں خطاب کرتے تھے۔ بکثرت سفر اور میل جول، مختلف النوع گروہوں اور حلقوں سے تعلق رکھنے کے سبب ان کے اندر لوگوں کے میلانات کو سمجھنے اور مزاج شناسی کا ایک زبردست ملکہ پیدا ہو گیا تھا، اور غالباً یہ ایک اصول انہوں نے ہمیشہ کے لیے اختیار کر لیا تھا۔ وہ اپنے رفقائے دعوت سے کہا کرتے تھے کہ:

''دکھ درد بانٹنے والے ساتھی زیادہ سے زیادہ پیدا کرو''

یعنی محنت کشوں کو دوست بناؤ جو اپنے ہاتھوں کی کمائی سے رزقِ حلال کماتے ہوں۔ یہی مضبوط کلائیوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے وہ لوگ ہیں جن سے تختی کے وقت بہترین مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔ حسن البناء اسی طرح اپنی دعوت دور و نزدیک، جہاں جہاں وہ پہنچ سکے، پہنچاتے رہے۔ دو سال بعد ان کے سفروں کے نتیجے میں ابوصویر، پورٹ سعید اور الملاح کے بڑے شہروں میں اخوان کے شعبے قائم ہو گئے۔ تیسرے سال شہر سویز میں ایک اور شعبہ کھلا۔ چوتھے سال دس شعبے ہو گئے اسماعیلیہ ہی میں لڑکیوں کی اسلامی تربیت کا ایک مرکز کھل گیا۔ بعد ازاں ''الاخوات المسلمات'' کی صورت پیدا ہوئی۔

تبادلہ برائے قاہرہ

''الاخوان المسلمین'' کی تاسیس کے پانچ سال بعد 1933ء میں حسن البناء کا تبادلہ قاہرہ میں کر دیا گیا۔ ان کے اس تبادلے سے دعوت ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی مگر حسب سابق خاموشی اور سنجیدگی، مساجد میں قیام و خطاب، ساتھیوں کی تلاش، اور نئے نئے شعبوں (شاخوں) کا قیام، یہ سرگرمیاں خاموشی اور احتیاط کے ساتھ جاری رہیں۔

قاہرہ میں قیام کے ایک سال بعد 1934ء میں حسن البناء نے ایک مقالہ تحریر کیا جس میں بیان کیا کہ ''اخوان'' کی تحریک مصر کے پچاس سے زائد شہروں میں پھیل چکی ہے اور تقریباً ہر شہر میں ''اخوان'' کے تحت کوئی نفع بخش سکیم یا کوئی مفید، فلاحی ادارہ قائم کیا ہے۔ شہر اسماعیلیہ میں مسجد الاخوان اور ایک تربیت گاہ کام کر رہی ہے۔ لڑکوں کی تعلیم کے لیے ''مدرسہ حرا'' اور لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ''مدرسہ امہات المومنین'' قائم ہیں۔ شہر ابیت میں ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے اور اس سے ملحق اسلامی تربیت گاہ ہے۔ شہر محمودیہ اور بحیرہ میں بھی ایک لڑکوں کا سکول اور ایک صنعت گاہ، جس میں وہ غریب و نادار لڑکے جو اپنی تعلیم پوری نہ کر سکے، صنعتی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اسی طرح مدرسہ حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ قالین بافی اور بنائی کا ایک مرکز قائم ہے۔ دقہیلہ اور منزلہ میں بھی حفظ قرآن کا ایک مدرسہ کھولا گیا ہے۔ مصر کے انتہائی جنوب میں شہر اوفو سے لے کر انتہائے شمال میں شہر اسکندریہ تک ملک کے گوشے گوشے میں ''اخوان'' کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔

روزمرہ کا دستور العمل

حسن البناء کا روزمرہ کا یہ معمول تھا کہ صبح سویرے مرکز میں آ جاتے۔ یہاں ساتھیوں کے لیے کچھ تحریری ہدایات چھوڑ جاتے، جن میں فوری اور ضروری کاموں کے متعلق ہدایات ہوتیں، اس کے بعد سکول پڑھانے جاتے۔ اگر سفر کا پروگرام ہوتا تو سکول سے سیدھے ریلوے سٹیشن چلے جاتے، اگر سفر کا پروگرام نہ ہوتا تو سکول سے چھٹی کے بعد دوبارہ مرکز آتے۔ وہاں ملاقاتیں کرتے۔ ہدایات دیتے۔ جو کام باقی ہوتا، اس کی تکمیل کرتے۔ پھر شب میں تیسری بار مرکز آتے، اور یہ وقت وفود، آنے والوں سے، ملاقات یا کمیٹیوں میں شرکت یا پھر تقریر میں گزرتا اور یہ سب مصروفیات سالانہ تعطیلات میں ان کے دیہات کے دعوتی سفروں میں مانع نہ ہوتیں۔

جس شہر اور قصبے میں ''اخوان'' ضروری سمجھتے وہاں مرشد کو آنے کی دعوت دی جاتی وہاں کے ریلوے سٹیشن پر استقبال کے لیے آنے والے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا۔ جائے قیام تک مداح لوگ جلوس کی شکل میں ہمراہ جاتے۔ جلسہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاہ میں ان سے خطاب کے لیے حسب ضرورت شامیانے نصب کیے جاتے۔ خطاب کے بعد ان کا کام اسی پر ختم نہ ہو جاتا کہ تقریر کے بعد وہ اپنے گھر اور سامعین اپنے گھر، بلکہ مجمع میں سے جس کو بھی وہ "خاص طور پر" متوجہ دیکھتے، اس کو اپنے ساتھ ملا لیتے۔ ان کی خاص مہم تھی۔ چنانچہ خطاب کے بعد دیر تک جو لوگ چاہتے، ان کے ساتھ بیٹھے رہتے۔ اس موقع پر دعوت کی خاطر نتیجہ خیز گفتگو ہوتی، جس میں نوجوانوں کی بیداری سے متعلق اور مصر و اسلام کے مستقبل پر تبادلہ خیال ہوتا۔ مصر کے جنوبی حصہ وہ شہر بہ شہر اور گاؤں در گاؤں بیس روز میں طے کر لیتے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ صبح انہوں نے بنی سویف میں کی، تو دوپہر بنہا میں، پھر شام واسطی میں اور رات فیوم میں گزاری ہے (یہ سب مصر کے مشہور قصبے ہیں) اس طرح ایک گھنٹہ یا گھنٹے سے کچھ کم سوتے، اور جیسے ہی تکیے پر سر رکھتے، سو جاتے۔ لوگ ان کے آس پاس بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔

سیاست میں شرکت اور دعوت اسلام

اسی زمانے میں "الاخوان" نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ حسن البناء نے ریڈیو اور عام عوامی اداروں میں دینی اور سیاسی تقریروں کا آغاز کیا۔ یکے بعد دیگرے آنے والے مصری وزرائے اعظم کے نام خطوط بھیجے۔ محمد محمود کے عہد سے لے کر دوسری جنگ عظیم کی ابتدا تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ان خطوط کا مرکزی نکتہ اسلامی نظام کی بنیاد پر داخلی اصلاحات کی دعوت تھی، لیکن "الاخوان" وزرائے اعظم کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرا سکے، کیونکہ ان کی سیاسی کارکردگی پر دین کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اس وجہ سے حکومت اور حکومتی عہدہ داروں نے ان پر کوئی توجہ نہ دی۔

1936ء میں حسن البناء نے سابق شاہ مصر فاروق، سابق وزیراعظم مصطفی نحاس، عرب ممالک کے فرماں رواؤں اور مختلف مسلم ملک کے سربراہوں، معروف دینی اور سیاسی رہنماؤں کے نام ایک اہم خط "نحو النور" کے نام سے بھیجا، جس میں اسلام، اس کا نظام، اس کے دستور، اس کے تمدن و تہذیب کی طرف ان کو دعوت دی اور مغربیت، مغربی طرز زیست، مغربی معاشرت و تہذیب کو ترک کرنے کا مطالبہ کیا، اور اسلامی اور مغربی دونوں نظاموں کا موازنہ کرتے ہوئے ثابت کیا کہ ترقی کی راہ پر گامزن ایک قوم کی جو عسکری، دستوری، معاشرتی اور معاشی ضروریات ہو سکتی ہیں، اسلام ان سب کی ضمانت دیتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ "آپ لوگ سب سے پہلے اس بیمار دنیا کو بچانے کے لیے طب قرآنی سے ماخوذ خوراک لے کر آگے بڑھیں"۔

اپنی اس طویل تحریر میں، جو بعد ازاں ایک الگ مقالے کی صورت میں شائع ہوئی، انہوں نے زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل اصلاح کے لیے پچاس دفعات پر مشتمل ایک لائحہ عمل پیش کیا۔ اس مقالے میں جو مطالبہ سب سے اہم تھا، وہ یہ تھا کہ فرقہ بندی کا خاتمہ کیا جائے اور امت کی سیاسی قوتوں سے ایک رخ پر اور ایک صف بنا کر کام لیا جائے۔

تحریک اخوان کا تعارف

1938ء میں دعوت اپنے تمام عوامل و عناصر مکمل کر چکی تھی۔ اب وہ اپنے کامل قالب اور مکمل نظام کے ساتھ قوم کے سامنے آئی۔ اس موقع پر "پانچویں کانفرنس" سے خطاب کرتے ہوئے اپنے خطاب میں تحریک اخوان کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعارف کراتے ہوئے کہا: ''یہ ایک جامع اور ہمہ گیر تحریک ہے، جس میں اصلاح کے تمام پہلو موجود ہیں۔ یہ سلفی دعوت ہے، کیونکہ اخوان کی دعوت ہے کہ قرآن وسنت رسول ﷺ کو مرکز نظر بنایا جائے۔ یہ سنی مذہب ہے، کیونکہ اخوان کی کوشش ہے کہ ہر شے میں سنت رسول ﷺ پر عمل کیا جائے یہ ایک صوفیانہ حقیقت ہے، کیونکہ اخوان سمجھتے ہیں کہ خیر وصلاح کی بنیاد پاکیزگی نفس، صفائی قلب، اللہ کی محبت اور تعاون علی الخیر ہے۔ یہ ایک سیاسی جماعت ہے، کیونکہ اخوان حکومت کی داخلی و خارجی اصلاح اور باعزت خود دارانہ قومی تربیت و زندگی کے داعی ہیں۔ یہ ایک ورزشی جماعت ہے، کیونکہ یہ اپنے ورزشی گروپوں کے ذریعے جسمانی ورزش کا خاص اہتمام کرتی ہے۔ یہ ایک علمی و ثقافتی انجمن ہے، کیونکہ اخوانی تربیت گاہیں درحقیقت تعلیم وتہذیب کے مدرسے اور عقل وروح کی جلا ونمود کے مراکز ہیں۔ یہ ایک اقتصادی ادارہ ہے، کیونکہ اسلام مالی امور و معاملات پر خاص توجہ دیتا ہے۔ ''اخوان'' نے اپنی اسلامی طرز کی لمیٹڈ کمپنیوں سے قومی اقتصادی حالت کو مضبوط تر بنانے میں بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ یہ ایک سماجی تحریک ہے، کیونکہ اخوان اسلامی معاشرے کے امراض پر خاص توجہ دیتے اس کے علاج پر غور وفکر کرتے اور امت مسلمہ کو سماجی امراض سے پاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں''۔

اخوان کی سیاسی سرگرمیاں

1939ء تا 1940ء کے درمیانی عرصے میں سیاسی جدوجہد میں ''اخوان'' ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ اس کی سیاسی سرگرمیوں میں نئی جان آئی اور دائرہ عمل میں نئی وسعت پیدا ہوئی۔ اخوان کی جدوجہد اب سہ چند ہوگئی۔ اب قاہرہ یونیورسٹی اور جامعۃ الازہر کے نوجوان طلبہ کا ایک نیا گروہ شامل ہوا۔ محنت کش اور پیشہ ور طبقوں کے لوگ بھی کافی تعداد میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ کارخانوں کے مزدور، تاجر، صنعت کار، انجینیر، ڈاکٹر، مدرسین، وغیرہ۔ غرض اب ہر گروہ اور طبقے کے نمائندے شامل تھے۔ ''اخوان'' کی اقتصادی سرگرمیاں بھی تیز تر ہوگئیں۔ عسکری اور ورزشی شعبوں کی طرف بھی ان کی تمام شاخیں اب پوری طرح منظم ہو چکی تھیں اور وہ ایک ایسی طاقت بن گئے جو ہر لحاظ سے قابل لحاظ سمجھی جانے لگی۔

اخوان پر مصائب کا آغاز

دریں اثنا مصری حکومت کے بعد دیگرے مندرجہ ذیل وزرائے اعظم سنبھالتے رہے:۔

علی ماہر۔ حسن صبری۔ حسین سری۔ مصطفی نحاس۔ احمد ماہر۔ نقراشی۔ اسماعیل صدقی۔ نقراشی (دوسری بار)۔

علی ماہر اور حسن صبری کی وزارتوں کے دوران میں حسن البنا نے اپنے خاص رسائل، مضامین، اور خطابات میں برابر پند ونصائح، مشورے اور رہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے، وہ ہر وزیر اعظم کو جنگ کی آگ سے مصر کو دور رکھنے کا مشورہ دیتے رہے۔ دوران جنگ انہوں نے اپنی حکومت پر نہ کوئی دباؤ ڈالا، نہ کوئی مشورہ دیا۔

برطانوی سفیر اور فوجی کمانڈر کے دباؤ پر حسین سری کی وزارت کے زمانے میں ''اخوان'' پر مصائب کا آغاز ہوا۔ چنانچہ ان کے ہفتہ وار جریدے ''تعارف'' اور ''شجاع'' اور ماہنامہ ''المنار'' کی اشاعت سرکاری طور پر بند کر دی گئی۔ ان کی تحریروں، کتابچوں کی اشاعت وطباعت ممنوع قرار دی گئی۔ ان کا پریس بند کر دیا گیا۔ اخبارات کو تنبیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دی گئی کہ ''اخوان'' اور ان کی کسی سرگرمی یا شخصیت کا کوئی ذکر نہ کیا جائے۔ ان کی تقریبات اور اجتماعات کو روک دیا گیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ جماعت کے سرکردہ رہنماؤں کو دور دور شہروں میں ڈال دیا گیا۔ جماعت کے صدر حسن البنا کو دور جنوب کے ایک شہر قنا اور نائب صدر کو شمال کے شہر دمیاط منتقل کر دیا گیا۔ بعد میں پارلیمنٹ کے مطالبے اور اصرار پر دونوں حضرات کو واپس لایا گیا۔ لیکن چند ماہ کے بعد حسن البنا کو گرفتار کیا گیا۔ اسی طرح اخوان کے جنرل سیکرٹری کو بھی۔ لیکن ''اخوان المسلمین'' کو اپنے صدر کی گرفتاری سے جو صدمہ پہنچا اور انقلاب کی سی ایک لہر بیدار ہوئی تو ان کے خوف سے ان دونوں کو جلد ہی رہا کر دیا گیا۔

اس تاریک دور میں مصری حکومتوں کا یہ حال تھا کہ وہ برطانوی استعمار کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھیں۔ حکومت کو قومی آزادی اور حرمت کا ذرا بھی پاس نہ تھا، کیونکہ وہ اپنے انگریز آقاؤں کو اسی طرح خوش کر سکتے تھے۔ اپنے سامراجی آقا کو خوش کرنے کے لیے ہر مصری حکومت کو اس میں ذرا بھی باک نہ تھا کہ ایسی جماعتوں کو مٹانے کے درپے رہیں، جن کا مقصد دین و وطن کی خدمت ہے۔ مخلص کارکنوں کو شہر بدر کر دیں۔ ان کو ایذا پہنچائیں۔ قید خانے ان سے بھر دیں، اور اخبارات کو ان کا نام تک لینے کی اجازت نہ ہو۔ اس سارے ظلم و ستم، دار و گیر اور قید و بند کا نتیجہ بالکل برعکس نکلا یعنی دبنے اور فنا ہونے کی بجائے ''تحریک اخوان'' عوام کا مرکز توجہ بن گئی، اور اس جماعت کو نئے اور تازہ دم کارکن اور مددگار حاصل ہوئے۔ جب مصطفیٰ نحاس کی وزارت آئی تو حسن البنا نے اسماعیلیہ کے حلقۂ انتخاب سے پارلیمنٹ کے لیے کھڑا ہونا چاہا۔۔۔۔

''اخوان'' کی جدوجہد کا نیا دور

نحاس پاشا کی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں حسن البنا نے شہر اسماعیلیہ کے حلقۂ انتخاب سے پارلیمنٹ کے لیے کھڑا ہونا چاہا، یہ شہر اخوان کی تحریک کا گہوارہ تھا۔ انتخاب لڑنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اخوان کی نمائندگی کرتے ہوئے پارلیمنٹ پر اثر انداز ہوں اور پارلیمنٹ کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش کریں۔ لیکن وزیر اعظم نحاس پاشا نے ان سے کہا کہ وہ کاغذات نامزدگی داخل نہ کریں۔ حسن البناء نے مصلحت کے تحت نحاس کی بات قبول کر لی۔ اس کے بدلے نحاس نے ''اخوان'' کے ساتھ مصالحانہ رویہ اختیار کیا۔ تقریبات اور اجتماعات کی اجازت دے دی ان کے رسالے ''الفتح'' کا ڈیکلریشن بحال کر دیا اور ان کا پریس کھول دیا۔

اب پھر برطانوی سفارت خانے کی طرف سے دباؤ پڑا۔ اس بار اخوان کو پہلے سے بھی زیادہ سخت ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ حکومت نے ''مرکز'' کے سوا ان کے تمام شعبے بند کر دیئے۔ اجتماعات، مطبوعات اور دیگر سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کیں۔ ''اخوان'' نے حکومت کی تمام سختیوں کو بہت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کیا، جس کے نتیجے میں حکومت نے بھی سختی کچھ کم کر دی۔ دونوں کے مابین صورت حال میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ کبھی حکومت ان کو چھوٹ دے دیتی تو ان کی سرگرمیاں جاری تو رہتیں لیکن نظر نہ آتیں۔ لیکن جب تک نحاس پاشا وزیر اعظم رہے، وہ برابر حسب عادت زبانی یا تحریری اخوان کو نصیحت سے نوازتے رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نحاس پاشا کی وزارت کے بعد احمد ماہر کی وزارت آئی جس نے آغاز سخت گیری کی پالیسی سے کیا۔ ''اخوان'' کے جن ارکان نے 1941ء کی اپنی جنرل کانفرنس کے فیصلے کے مطابق اسلامی نظام لانے کے عزم سے پارلیمنٹ کا انتخاب لڑنا چاہا تھا، ان کو احمد ماہر کی حکومت نے اپنے ہتھکنڈوں سے ناکام کرا دیا۔

پارلیمنٹ کے اس الیکشن میں اہل اسماعیلیہ نے مصری انتخابی تاریخ میں پہلی بار اپنے مصارف خاص سے پروپیگنڈے کے لیے ساٹھ خیمے نصب کیے تھے، جو انتخابی مہم کے دوران میں پروپیگنڈے کے لیے تمام دنوں میں شہر کے مختلف حصوں میں نصب رہے۔ شہر کے ہر شخص کی زبان پر تھا کہ استاد بھاری اکثریت سے جیت جائیں گے۔ عوام محنت کش اور طلبہ سب کے نعرے استاد حسن البنا کے حق میں تھے، جن کو وہ اسلامی بیداری کی تحریک کا قائد سمجھتے تھے، لیکن مصر کی حکومت اور برطانیہ کی فوجی قیادت نے ان کو ہرانے کے لیے تمام ممکنہ وسائل و ذرائع استعمال کیے۔ اس وقت اسماعیلیہ نہر سویز کے کنارے پر برطانوی فوج کی زبردست چھاؤنی تھی جو اس علاقے کی سیاست پر بہت زیادہ اثر انداز تھی۔

استاد حسن البنا کو پارلیمنٹ میں نہ لانے سے حکومت کا مقصد اول تو انگریزوں کو خوش کرنا اور دوم حکومت میں شریک ''آزاد دستور پارٹی'' کے امیدوار کو کامیاب کرانا تھا۔ برطانوی ہیڈ کوارٹر کی مزاحمت برطانوی سفارت خانے کی ہدایات کی بنا پر تھی جو ''اخوان المسلمین'' کی ایک ایک حرکت اور سرگرمی پر کڑی نظر رکھتا تھا، اور جانتا تھا کہ سامراجی مقاصد کی کامیابی کے لیے وہ ایک زبردست خطرہ ہیں۔ چنانچہ انگریز فوجیوں کی ٹولیاں کھلے بندوں ''اخوان'' کے مخالف امیدواروں کے لیے کام کر رہی تھیں، جو ووٹروں کو پولنگ سٹیشن پہنچاتیں اور ہزاروں مزدوروں کو دور دراز کے علاقوں سے فوجی ٹرکوں میں لاتی تھیں، جن کا انتخابی حلقوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ دباؤ، دہشت انگیزی، جھوٹے وعدوں اور دھمکیوں کے باوجود حسن البنا اپنے مخالف پر کامیاب ہوئے۔ لیکن حکومت نے ووٹوں میں جعلی ووٹوں کے فرق کا بہانہ بنا کر محض استاد حسن البنا کو ہرانے کے لیے دوبارہ انتخاب کرایا۔ اس مرتبہ برطانوی فوجی علاقے سینا کے انگریز فوجی گورنر ''اخوان'' کے نمائندوں کو شہر عریش اور سینا کی انتخابی کمیٹیوں سے الگ کر دیا۔ فوجی گاڑیوں نے دور و نزدیک کی چھاؤنیوں سے مزدوروں کو لانے میں زیادہ سرگرمی سے کام لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض کمیٹیوں میں مخالف امیدوار کے حق میں پڑنے والے ووٹوں کی تعداد دونوں امیدواروں کے مجموعی ووٹوں کی تعداد سے بھی کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ اس کھلی دھاندلی سے استاد حسن البنا اور دوسرے تمام اخوانی امیدوار اس دوسرے الیکشن میں بھی ہار گئے۔ ''اخوان'' نے الیکشن لڑنے کی یہ ساری جدوجہد اس مقصد کے پیش نظر کی تھی کہ پارلیمنٹ میں داخل ہو کر، ارکان پارلیمنٹ پر اثر انداز ہو کر اسلامی نظام کے قیام کی راہ ہموار کی جا سکے۔

جنگ عظیم کے دوران

پھر جب وزیر اعظم احمد ماہر نے جرمنی اور اٹلی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تو ''اخوان'' نے اپنی پالیسی کے تحت اس کی مخالفت کی، اور اپنی تحریروں کے ذریعے وزیر اعظم کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اس دوران میں ''عیسوی'' نامی ایک شخص نے اچانک وزیر اعظم کو قتل کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسن البنا اور ان کی جماعت ''اخوان المسلمین'' کا ایک ہی مطالبہ تھا، یعنی اسلامی حکومت کا قیام اور اسلامی قوانین کا نفاذ۔ انہوں نے کہا کہ پچاس سال سے مصر میں غیر اسلامی آئین آزمائے جا رہے ہیں اور وہ سخت ناکام ہو چکے ہیں، لہٰذا اب اسلامی شریعت کا تجربہ کیا جانا چاہیے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مصر کے موجودہ دستور اور قانون کے ماخذ کتاب وسنت نہیں، بلکہ یورپ کے دستور اور قوانین ہیں جو اسلام سے متصادم ہیں۔ حسن البنا نے مصریوں میں جہاد کی روح پھونکی اور جہاد کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا اور بتایا کہ مصر ہی کے ایک عالم امام بدرالدین عینی شارح بخاری ایک سال جہاد کرتے تھے، ایک سال تعلیم وتدریس میں مشغول رہتے تھے اور ایک سال حج کرتے تھے۔

احمد ماہر کے قتل کا الزام حسن البنا اور ''اخوان'' پر عائد ہوا۔ چنانچہ نئے وزیر اعظم نقراشی نے اپنی حکومت کا افتتاح ''اخوان'' کے صدر اور ان کے جنرل سیکرٹری اور سرکردہ اخوان رہنماؤں کی گرفتاری سے کیا۔ ان پر تہمت لگائی گئی کہ وہ احمد ماہر کے قتل میں براہ راست ملوث ہیں۔ اس گرفتاری کا اصل سبب غالباً یہ تھا کہ عیسوی نے پولیس کو بیان دیتے وقت یہ کہا تھا کہ وہ اعلانِ جنگ کے بارے میں ملک کے لیڈروں کی رائے لینا چاہتا تھا اور جن لیڈروں کے نام اس نے پولیس کو بتائے تھے، ان میں حسن البنا کا نام بھی شامل تھا، لیکن پولیس نے تفتیش کے بعد حسن البنا کو رہا کر دیا، جیل سے باہر آتے ہی ''مرشد'' احمد ماہر مقتول کی تعزیت کے لیے نقراشی کے پاس گئے اور ان سے خواہش ظاہر کی کہ ''اخوان'' پر سے پابندیاں ہٹائی جائیں اور انہیں کام کرنے کی اجازت دی جائے، مگر نقراشی نے ان کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا، بلکہ ان کی سرگرمیوں، جلسوں، تقریبات حتیٰ کہ گھروں کی بھی نگرانی زیادہ سخت کر دی۔ بعض اوقات حکومت حالات کے دباؤ میں مجبور ہو کر ان کو جلسوں اور کانفرنسوں کی اجازت دے دیتی تھی، لیکن جلد ہی پھر سختی اور ایذا رسانی کی کارروائیاں عمل درآمد شروع ہو جاتا تھا۔

جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد

دوسری جنگ عظیم کے آغاز (1939ء) تک ''اخوان'' کی دعوت مشرقِ وسطیٰ کے بیشتر مسلم ملکوں میں جڑ پکڑ چکی تھی۔ لیکن ''اخوان'' کا سب سے مضبوط مرکز مصر ہی تھا۔ 1945ء میں جنگ کے خاتمے کے بعد ''اخوان'' نے عوامی سطح پر سیاست میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا۔ لیکن اس کے مقابلے میں حکومت نے بھی اپنی نگاہیں زیادہ تنگ کر لیں۔ اب ''اخوان'' کے سخت ترین دورِ ابتلا کا آغاز ہوا، کیونکہ اس نے قومی تحریک کی قیادت کی تھی اور ملک کے حقوق مکمل طور پر حاصل کرنے کے لیے وطنی شعور کو بیدار کیا تھا، جس کا انگریزوں نے دوران جنگ وعدہ بھی کیا تھا کہ جیسے ہی جنگ ختم ہوگی اور صلح کا اعلان ہوگا، مصریوں کو ان کے حقوق دیئے جائیں گے۔

8 ستمبر 1945ء کو اخوان کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ جماعت کے بنیادی نظام میں بعض ترامیم کی گئیں، جس سے جماعت کے وسیع تر مقاصد اور وسائل کی وضاحت ہوگئی۔ انہوں نے مختلف قسم کی تجارتی کمپنیاں قائم کیں، جن سے جماعت کو بہت مالی فوائد حاصل ہوئے اور جب مالی فوائد کے اثرات محنت کش طبقوں میں پہنچے، تو وہ بھی ''اخوان'' میں شامل ہونے لگے۔ ایک یومیہ اخبار نکالا گیا جس کا پہلا شمارہ 5 مئی 1945ء کو شائع ہوا۔ اس طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی آواز مصر اور دیگر عرب ملکوں میں سنی جانے لگی۔ فوجی تربیتی دستے قائم ہوئے اور فوجی تربیت کے لیے مراکز قائم کیے گئے۔ یوں اب ''اخوان المسلمین'' محض ایک دینی و مذہبی جماعت نہیں رہی۔ حسن البنا کی نظر مصر و عرب سے برطانوی استعمار کے اخراج اور پوری امت مسلمہ کو ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرنا تھا۔ ''اخوان'' کے نئے مربوط نظام کے تحت ارکان کو مختلف قسم کے کام تفویض کیے گئے۔ ''امیر شعبہ'' کے واسطے سے ''مرشد'' (حسن البنا) کی بیعت کر کے انہوں نے اپنے وعدہ پیمان کو پختہ کیا اور ہر اچھے برے وقت میں اطاعت کا عہد کیا۔ امیر اعلیٰ (مرشد عام) پر پورے اعتماد کا اظہار کیا، اور ''مرشد عام'' کا منصب تاحیات ان کے لیے مامور ہوا، یعنی نہ تو وہ خود اس منصب کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ''مجلس تاسیس'' کے فیصلے کے بغیر ان کو علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

اخوان کی توسیع

صرف مصر میں ''اخوان المسلمین'' کے باضابطہ ارکان کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ گئی۔ منسلک ارکان اور ہمدردوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ مصر میں اخوان کے شعبوں (شاخوں) کی تعداد دو ہزار اور سوڈان میں پچاس شعبے تھے۔ دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی شعبے قائم تھے، اور ہمدردوں اور مخلصین کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ مخالفین بھی ''اخوان'' کے خلوص اور وفا پیشگی سے متاثر تھے۔ اسی طرح مویدین بھی جو تمام اسلامی ملکوں اور یورپ اور امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جماعت کی یہ حیرت انگیز توسیع اور گہری تنظیم، یہ چیزیں ایسی تھیں جو دوسری جنگ عظیم کے بعد آنے والی مصری حکومتوں کی طرف سے اس کے مقابلے اور اس پر زیادہ سختیوں کا سبب بنیں۔

مرشد عام حسن البنا نے دوسری بار وزیر اعظم نقراشی پاشا سے ملاقات کی اور اس سے مطالبہ کیا کہ قومی حقوق کے حصول اور وادیٔ نیل (مصر و سوڈان) کی آزادی و اتحاد کے لیے موثر اقدام کرے، ورنہ یہ کام قوم کے لیے چھوڑ دے۔ نقراشی نے حسن البنا کے اس مطالبہ کے ضمن میں ایک مکتوب حکومت برطانیہ کو بھیجا، جس کا جواب بھی آ گیا۔ اخوان کو برطانیہ اور مصر کے درمیان خط و کتاب کا یہ سلسلہ پسند نہیں آیا۔ چنانچہ اخوانی طلبہ نے ایک احتجاجی مظاہرہ کیا جس میں ''عباس پل'' کے حادثے میں پولیس کے ساتھ مظاہرین کا معرکہ پیش آیا۔ (دریائے نیل قاہرہ کے وسط سے گزرتا ہے، جس پر متعدد بڑے بڑے پل دوسری طرف جانے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک پل کا نام ''کوبری عباس'' ہے) اس خون ریز معرکہ آرائی کے نتیجے میں نقراشی کی وزارت مستعفی ہو گئی۔

جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ''اخوان'' کی حکمت عملی یہ تھی کہ قوم کا سیاسی شعور بیدار کیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے عام جلسوں، تقریروں، کتابچوں، دیہات اور قصبوں کے سفر وغیرہ، تمام وسائل استعمال کیے اور حزب اختلاف کی باگ ڈور سنبھالی۔ اخوان جو پہلے سے برطانوی استعمار کے خلاف طاقت کے استعمال کی داعی تھی، اس وقت اس کی تمام سعی و جہد اس مقصد کے لیے تھی، اور یہ بھی اس امید کے ساتھ کہ مصر مکمل آزادی حاصل کر سکے۔ اسماعیل صدقی کی وزارت آئی تو مظاہرے زیادہ وسیع اور پرجوش ہو گئے۔ حسن البنا نے ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کو ایک ''قومی کونسل'' کی تشکیل کے لیے دعوت دی، تاکہ تمام قومی طاقتوں کو متحد و یکجا کیا جا سکے۔ لیکن سیاسی جماعتوں نے ان کی آواز پر لبیک نہیں کہا۔ اب انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ وزیر اعظم صدقی کو توجہ دلائیں کہ برطانیہ سے بے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نتیجہ گفتگو کا سلسلہ ختم کیا جائے اور علانیہ جہاد کا آغاز کیا جائے۔

''اخوان'' کی سرگرمیاں اس طریقے پر روز افزوں تھیں۔ حکومت کے شعبوں میں ان کی گرفت مضبوط ہونے لگی۔ ان کی طرف سے حکومت پر الزام لگایا گیا کہ وہ مصر اور اہل مصر کے حقوق سے چشم پوشی کرتے ہوئے، برطانیہ سے مصالحت بلکہ خوشامد اور چاپلوسی کا معاملہ اس حد تک برت رہی ہے کہ مصری حکومت کو برطانیہ کا ایجنٹ کہا جا سکتا ہے۔ حکومت نے ایسی غیر سرکاری کمپنیاں اور ادارے قائم کئے ہیں جو در پردہ انگریزوں کی ملکیت ہیں۔ محنت کش طبقوں کی بے روزگاری کا کوئی حل حکومت نہیں نکال سکتی۔ وہ برطانیہ سے خواہ مخواہ کے مذاکرات ختم کرنے اور جہاد کا اعلان کرنے میں پس وپیش سے کام لے رہی ہے۔ حکومت نے اس الزام کا جواب یوں دیا کہ بہت سے ''اخوان'' کو گرفتار کیا۔ ان کے گھروں پر حملے کرائے گئے۔ ان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ ان کا اخبار اور پریس بند کر دیا گیا۔ ان کے نائب امیر کو گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا۔ اخوان کی طرف سے بھی حملے کا دو بدو جواب دیا گیا۔ قاہرہ اور اسکندریہ میں دستی بم پھٹے۔ امن وامان تباہ ہوا۔ حکومت نے ''اخوان'' کے گھروں کا محاصرہ کر لیا۔ خانہ تلاشی کی گئی۔ صدقی حکومت نے بڑے پیمانے پر ''دفتری کارروائی'' کا آغاز کیا، یعنی سرکاری محکموں میں جتنے اچھے اچھے خوانی ذمہ دار ملازمین تھے، ان کا ملک کے دور دراز دیہی علاقوں میں تبادلہ کر دیا۔

حسن البناء کی شہادت

وزیر اعظم صدقی کے استعفیٰ کے بعد 10 دسمبر 1946ء کو نقراشی کی وزارت بنی۔ اسی روز حسن البناء نے ایک مضمون شائع کیا جس میں نئی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ قوم کے لیے آسانیاں پیدا کرے، راستہ مختصر کرے، قوم کی خواہش کا لحاظ کرے اور سمجھوتے کی بات چیت ختم کر کے جہاد کا راستہ اختیار کرے۔ اس کے بعد وہ مسلسل اخبار میں مضامین کے ذریعے بم ڈالتے رہے، جن میں یہ بتاتے ہوئے کہ حکومت نے اخوان کے استیصال کی کوشش کی، ان کے اسکول بند کر دیئے، ان کے آزاد کارکنوں کو قید کیا اور ہر طرح ان پر زندگی وحرکت کا میدان تنگ کیا، اس کے طرز عمل پر کڑی تنقید کی۔ نقراشی اور اخوان کے مابین جنگ کا یہ نقطۂ آغاز تھا۔ فلسطین کے مسئلے نے اسے اور بڑھا دیا، جس میں اخوان نے سرگرمی سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جو ایک طرف تو ان کی طاقت کی آزمائش اور کسوٹی ثابت ہوا اور دوسری طرف ان کے رسوخ اور مصر وعرب ممالک میں عزت ومقبولیت کا سبب بنا۔ فلسطین کی جنگ میں اخوان عرب لیگ کی رہنمائی میں شریک ہوئے۔ اس عسکری اشتراک نے ان کو جنگی مشن اور تربیت کا موقع دیا، اور ساتھ ہی اس سے ان کی عسکری استعداد اور اثر پذیری کا بھی اندازہ ہوا۔

وزیر اعظم نقراشی، ان کی طاقت سے خطرہ لاحق ہوا۔ اس نے اندرون ملک واقع ہونے والے بعض حوادث و واقعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے الزام لگایا کہ ان میں اخوان کا ہاتھ ہے اور وہ ہر قیمت پر خونین انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔ اس بہانے سے نقراشی نے 8 دسمبر 1948ء کو ایک فوجی حکم جاری کیا، جس کی رو سے اخوان المسلمین اور اس کی تمام شاخوں کو، جہاں جہاں بھی وہ تھیں، ناجائز قرار دیا گیا۔ ان کی عملی سرگرمیوں کے تمام مراکز بند کر دیئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کئے اور جماعت کے تمام کاغذات، دستاویزات، عہد نامے، رسالے، مطبوعات، رقوم، بینک اکاؤنٹ، املاک اور تمام مملوکہ اشیاء پر قبضہ کرلیا گیا۔ اس فوجی حکم کے بعد اور بھی کئی فوجی احکام صادر ہوئے، جن کی رو سے جماعت کی تجارتی کمپنیوں اور کمرشل اداروں کے حسابات منجمد کرنے اور جماعت کا سرمایہ قبضہ میں لے لینے کا حکم ہوا، جس کو ''وزیر امور عامہ'' اپنی صوابدید کے مطابق پبلک کاموں میں صرف کرنے لگا۔ حسن البناء نے چاہا کہ ان کو ذرا سا موقع دیا جائے، تاکہ وہ صورت حال کو ہموار کرنے کی کوشش کریں، لیکن نقراشی اور اس کی حکومت کی طرف سے اس پر مطلق توجہ کا اظہار نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ نقراشی کے قتل نے اس قسم کی کوششوں کا دروازہ بند کر دیا (قتل 28 دسمبر 1948ء کو ہوا تھا)۔ اس قتل کا الزام بھی اخوان پر عائد کیا گیا اور اس طرح حکومت اور ان کے مابین کشمکش مزید بڑھ گئی۔

اخوان کے نام حسن البناء کا پیغام

حسن البناء نے ان تمام مصائب و ابتلا کی پیش گوئی کی تھی، اور وہ اکثر اس کو اس طرح بیان کیا کرتے تھے، جیسے یہ سب کچھ ان کی نظروں کے سامنے ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی واضح کرتے رہتے تھے کہ دعوت و اصلاح کے علم برداروں کی یہ ایک ضروری منزل ہے، جس پر سے ہو کر ہمیشہ انہیں گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ سابقہ انبیاء و مجاہدین کی مثالیں پیش کرتے تھے، اور اس بات پر انہیں کچھ ایسا یقین تھا کہ گویا یہ ان کا محکم عقیدہ تھا، جس کو انہوں نے اپنے رسالے میں اخوان کے لیے ثبت کر دیا تھا۔

حسن البناء نے اخوان کے نام تحریر کیا: ''میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری دعوت کو اب تک بہت سے لوگ نہیں پہچانتے ہیں۔ جس دن وہ اس کو پہچان لیں گے اور اس کے اغراض و مقاصد کو پالیں گے، تمہیں ان کی طرف سے سخت عداوت و خصومت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تمہیں زبردست دشواریاں اور رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ یہی وہ وقت ہوگا جب تم اہل دعوت کے راستے پر گامزن ہو گے۔ ابھی تک تو تم غیر معروف ہو اور دعوت کے لیے میدان ہموار کر رہے ہو اور وہ جس جد و جہد، سعی و قربانی کی طالب ہے، اس کی تیاری کر رہے ہو۔ اسلام کی حقیقت سے قوم کی ناواقفیت تمہارے لیے سنگ راہ بنے گی اور بہت سے سرکاری علمائے دین کی طرف سے تمہارے فہم اسلام پر تعجب کا اظہار کیا جائے گا۔ دعوت دین کی راہ میں تمہارے طریق کار پر وہ لوگ عتاب کی نگاہ ڈالیں گے۔ علماء، قائدین اور اہل اقتدار و رسوخ تم سے حسد کریں گے۔ تمام حکومتیں یکساں تمہاری مزاحمت کریں گی اور ہر حکومت چاہے گی کہ تمہاری سرگرمیوں کو بند کر دے اور تمہارے راستے میں کانٹے بچھائے۔ غیر ملکی لیبرے (انگریز) ہر طریقے سے تمہارا مقابلہ کریں گے۔ تمہاری دعوت کے نور کو بجھانے کی کوشش کریں گے، اور اس کے لیے وہ کمزور حکومتوں اور پست اخلاق لیڈروں سے مدد لیں گے۔ ان ہاتھوں کو استعمال کریں گے جو ان کی طرف بھیک اور تمہاری طرف جور و تعدی کے لیے پھیلے ہوں گے، اور کوشش کریں گے کہ ہر برائی اور عیب تم پر چسپاں کریں۔ اپنی قوت و اثر اور دولت و حکومت کے ذریعے وہ تمہاری دولت لوگوں کے سامنے انتہائی ہولناک صورت میں پیش کریں گے۔ یہی وہ وقت ہوگا کہ جب تم آزمائش و امتحان کے دور میں داخل ہو گے۔ تمہاری گرفتاریاں عمل میں آئیں گی۔ تم جیل میں ڈال دیے جاؤ گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہارے تبادلے کیے جائیں گے۔ دور دراز کے علاقوں میں پھینکے جاؤ گے۔ تمہارے وسائل ثروت و راحت کو ضبط کیا جائے گا۔ تمہارے گھروں کی تلاشیاں لی جائیں گی۔ ممکن ہے کہ اس ابتلاء کی مدت طویل ہو:

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنونo (العنکبوت)

''کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ چھوٹ جائیں گے صرف اتنا کہہ کر کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے''۔

یہ تحریر پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے حسن البناء کو الہام ہوا ہو اور وہ غیب کی نگاہوں سے سب کچھ دیکھ رہے تھے، کیونکہ جماعت کے ناجائز اور غیر قانونی قرار دیے جانے کے بعد وہ سب کچھ پیش آیا جو دوسری جنگ عظیم سے کئی سال پہلے اخوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا تھا۔ اس حقیقت کو ''ابتلا'' سے پہلے بار بار دہراتے رہے، تاکہ اخوان اس کو حوصلے سے برداشت کرنے کے لیے تیار رہیں، اور اچانک ان خوفناک حقائق و وسائل سے دوچار نہ ہوں، جنہوں نے ''ہسپانوی احتسابی عدالتوں'' کی یاد ذہنوں میں تازہ کر دی۔ حسن البناء کی تمام پیشین گوئیاں، حتیٰ کہ انہوں نے جو خود حکومت پرست دین دار طبقے کے حق میں کی تھیں، صحیح ثابت ہوئیں۔ واقعات نے بتایا کہ اس طبقہ علماء میں سے بعض نے رضا کارانہ طور پر تقریریں نشر کیں، اور حکومت کی اخوان کش پالیسی کی پوری پوری تائید کی۔ اس کے لیے انہوں نے ہمیشہ آیات قرآنی کا استعمال کیا۔ مثلاً سورۃ المائدہ کی آیت 33:

انما جزوا الذین یحاربون اللہ ورسولہ و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض.....ط

''جو لوگ اللہ اور رسولؐ سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں برعکس کاٹے جائیں یا ان کو جلا وطن کر دیا جائے''۔

یہ آیت طور کے جیل خانے اور دیگر تمام جیل خانوں کی دیواروں پر ان جیلروں کے ناظمین کی جانب سے لکھ کر آویزاں کی گئی تاکہ تمام اخوان اس کو پڑھیں۔ بار بار پڑھیں۔ اب اس سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ اخوان جس کا نعرہ تھا:

اللہ غایتنا و الرسول زعیمنا

''اللہ ہمارا مقصد، رسول ہمارا قائد''

ان کو اس طرح کی آیت سے کس طرح برانگیختہ کیا جاتا تھا، اور یہ اتہام لگا کر کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمن ہیں، ایک نفسیاتی خلش میں مبتلا کیا جاتا تھا۔

ابراہیم عبدالہادی کی وزارت میں سب کچھ ہوتا رہا جو نقراشی کے بعد برسر اقتدار آئی تھی۔ اس شخص کی یہ کوشش رہی کہ اپنے پیشرو (یعنی نقراشی) کا انتقام پوری جماعت اور اس کے ایک ایک رکن سے گویا شخصی طور پر لے۔ اپنی اس سفاکانہ مہم میں اس نے اس افواہ سے مزید مدد لی کہ بادشاہ سے جماعت کی بگڑی ہوئی ہے اور وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انقلابی مقاصد رکھتی ہے۔ اس عہد حکومت میں جو بدترین حادثہ پیش آیا، وہ حسن البناء کا قتل تھا۔ اس سے پہلے مرحوم سے وہ تمام ہتھیار، جن کے لائسنس ان کے پاس تھے، لے لیے گئے تھے۔ ان کا ملک سے باہر جانا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ حکومت کی اجازت کے بغیر اندرون ملک بھی نقل و حرکت کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ جب حسن البناء نے حکومت کو اطلاع پہنچائی کہ وہ قصبہ بنہا میں اپنے ایک اخوانی رفیق کے ہاں جانا چاہتے ہیں تو اس رفیق کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ ان کے قتل سے چند روز پہلے کا واقعہ ہے۔

حسن البناء کی شہادت

جمعیۃ الشبان المسلمین (ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن) کی مجلس عامہ کے رکن ناجی نے "جمعیۃ نوجوانان" کے صدر محمد لیثی سے کہا کہ وہ استاذ حسن البناء کو یہ پیغام پہنچا دیں کہ 12 فروری 1949ء بروز ہفتہ شام وہ مجھ سے یہاں "ایسوسی ایشن" کے دفتر میں ملاقات کریں، تاکہ ان کو جماعت اخوان المسلمین کے حل طلب مسائل سے متعلق بعض اہم اور خوش کن فیصلوں کی اطلاع دی جائے، جس کے لیے ان (ناجی) کے عزیز وزیر اعظم ابراہیم عبدالہادی نے انہیں ذمہ دار بنایا ہے۔ چنانچہ دوسرے دن محمد لیثی نے حسن البناء کے گھر جا کر یہ خبر ان کو پہنچا دی۔

حسن البناء نے ان سے کہا: "ان لوگوں کی نیتیں ٹھیک نہیں، اور وہ کوئی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اس بے چارے بوڑھے شخص کو گرفتار کر لیا ہے، جس کے متعلق میں نے حکومت کو اطلاع دی تھی کہ ایک دو روز میں ان سے ملنے بنہا جاؤں گا۔ بہر حال میں استاد ناجی سے ملاقات کے لیے آؤں گا"۔

وقت مقررہ پر موصوف ملنے گئے۔ ملاقات کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، سوائے اس مطالبے کے کہ ہتھیار اور ریڈیو ٹرانسمیٹر حکومت کے حوالے کر دیے جائیں۔ ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ حسن البناء باہر آئے اور ٹیکسی بلائی۔ ان کے ساتھ ان کے داماد عبدالکریم منصور ایڈووکیٹ بھی تھے۔ محمد لیثی ٹیکسی تک ان کو چھوڑنے کے لیے آئے۔ ایسوسی ایشن کا ایک ملازم آیا اور اس نے لیثی سے کہا: "انہیں کوئی ٹیلی فون پر بلا رہا ہے"۔

حسن البناء اور ان کے داماد کو ٹیکسی پر سوار کرانے کے بعد محمد لیثی ٹیلی فون پر آئے ہی تھے کہ انہوں نے فائر کی آواز سنی۔ ٹیلی فون چھوڑ کر وہ فوراً باہر آئے اور دیکھا کہ ایسوسی ایشن کی عمارت کے سامنے ایک دراز قد دبلا پتلا شخص جبہ (لمبا کرتا) اور سفید ٹوپی میں کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں ریوالور ہے۔ یہ دیکھ کر لیثی نے "پکڑو، پکڑو" کا شور مچایا۔ نوجوان نے ایک فائر ان پر بھی کیا جو خالی گیا۔ پھر وہ لیثی کے پیچھے سڑک پر دوڑا اور دو فائر کیے وہ بھی خطا گئے۔ اب جب اس کے پاس گولیاں ختم ہو گئیں تو وہ سامنے کی فٹ پاتھ کی طرف لپکا، جہاں ایک شخص اس سے آ کر مل گیا اور وہ دونوں ایک سیاہ موٹر میں بیٹھ کر "شارع الملکہ" (کوئن روڈ) پر روانہ ہو گئے۔ اس اثناء میں استاد البناء ٹیکسی سے اتر کر ایسوسی ایشن آ چکے تھے، اور ان کی زبان پر "مار ڈالا، مار ڈالا" کے الفاظ تھے۔ اس وقت محمد لیثی واپس ایسوسی ایشن میں آئے اور انہوں نے دیکھا کہ ٹیلی فون کا ریسیور اب تک اٹھا ہوا ہے، ٹیلی فون پر بات کرنے سے معلوم ہوا کہ بات کرنے والا کیپٹن محمد جزار (افسر سی آئی ڈی) ہے۔ محمد لیثی ٹیلی فون پر چلائے کہ استاد البناء پر ایسوسی ایشن کے سامنے گولی چلائی گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیپٹن جزار نے پوچھا: "وہ مر گئے یا اب تک زندہ ہیں؟"

دریں اثنا حسن البناء کو قریبی ہسپتال "دارالاسعاف" پہنچایا گیا۔ محمد لیثی بھی ہسپتال پہنچے۔ یہاں انہوں نے البناء کو کلمہ شہادت پڑھتے پایا۔ وہیں انہوں نے ایک گندمی رنگ کے نوجوان کو بھی دیکھا جو جلباب اور ترکی ٹوپی میں ملبوس تھا، اور جس موٹر پر قاتل بھاگے تھے، اس کے قریب کھڑا تھا۔ اس نے موٹر کے نمبر لے لیے تھے یعنی 9979۔ محکمہ ٹریفک میں تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ مذکورہ موٹر لیفٹیننٹ کرنل محمود عبدالحمید کی ہے، جو اس وقت سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ بعد میں کیپٹن جزار نے روپے، شراب، جنس لطیف اور آخر میں دھمکی اور تخویف کے ذریعے کوشش کی کہ گواہ کو موٹر کا نمبر بدلنے پر آمادہ کرے۔ اس نے یہاں تک کہا: "یاد رکھو! حسن البناء کا قاتل آزاد ہے اور وہ ہمیشہ آزاد رہے گا۔ اسے پکڑا نہیں جا سکتا۔ جو شخص بھی اس کی راہ میں آئے گا، اس کو وہ جان سے مار ڈالے گا یا اسے کوئی نقصان پہنچائے گا۔ اپنے بچوں کو یتیم کرنا تجھ پر حرام ہے"۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ حسن البناء کے قاتل آزادانہ گھومتے رہے، یہاں تک کہ 23 جولائی 1952ء کا فوجی انقلاب پیش آیا اور ان سب کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں لیفٹیننٹ کرنل محمود عبدالمجید، لیفٹیننٹ کرنل احمد کامل، کرنل حسین کامل، حوالدار عبدہ مانیوس، بادشاہ کا خادم خاص محمد حسن، کیپٹن محمد جزار، حوالدار محمد محفوظ (اس موٹر کا ڈرائیور جس پر قاتل بھاگے تھے)، احمد حسین جاد، محمد سعید، مصطفیٰ محمد ابواللیل غریب اور لانس نائک حسین محمد بن رضوان شامل تھے۔

شہادت سے چند روز پہلے حسن البناء شہید نے ڈپٹی ہوم منسٹر عبدالرحمٰن عمار کی ایک سرکاری یادداشت جس میں اخوان کو غیر قانونی اور ناجائز قرار دینے کی سفارش کی گئی تھی، کا جواب دیتے ہوئے حکومت کی جانب سے اخوان کو ناجائز قرار دیے جانے کے اسباب بیان کئے گئے تھے۔ شہید کی آخری تقریر تھی۔

1952ء کا فوجی انقلاب اور اخوان المسلمین

شہادت سے چند روز پہلے حسن البناء شہید نے ڈپٹی ہوم منسٹر عبدالرحمٰن عمار کی ایک سرکاری یادداشت (جس میں اخوان المسلمین کو غیر قانونی اور ناجائز قرار دینے کی سفارش کی گئی تھی) کا جواب دیتے ہوئے حکومت کی جانب سے اخوان کو ناجائز قرار دیے جانے کے اسباب و وجوہ بیان کیے تھے۔ شہید کی یہ آخری تقریر تھی، جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

اخوان دشمنی کا سب سے بڑا سبب غیر ملکی دباؤ ہے۔ ڈپٹی ہوم منسٹر نے مجھ سے خود اس کا اقرار کیا کہ برطانیہ، امریکا اور فرانس کی جانب سے 6 دسمبر 1948ء کے اجتماع کے بعد ایک یادداشت نقراشی پاشا وزیراعظم کو پیش کی گئی، جس میں انہوں نے فوراً اخوان المسلمین پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے۔ سامراجی حکومتوں کی جانب سے اس قسم کا مطالبہ ایک قدرتی امر تھا، جو وادیٔ نیل، بلاد عرب اور اسلامی ممالک سے متعلق سرکاری مطالبے کی سی تھی، جو ہر برطانوی سفیر کی طرف سے تمام موقعوں پر ہر نمائندہ حکومت سے کیا جاتا رہا، اور کسی حکومت نے اس کا کوئی عملی جواب، حتیٰ کہ سخت ترین وقتوں میں بھی نہیں دیا تھا۔ برطانوی سفارت خانے نے نحاس پاشا (وزیراعظم) سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1942ء میں، جب کہ جنگ عظیم دوم چھڑی ہوئی تھی، اور جرمنی مصر کے دروازوں پر تھا، مطالبہ کیا گیا تھا کہ اخوان کو ناجائز قرار دے دیا جائے اور اس کی سرگرمیوں کو روک دیا جائے تو انہوں نے اس مطالبے کو لبیک نہیں کہا تھا۔ البتہ اتنا کہ ایک معینہ مدت کے لیے اخوان کی اندرون ملک شاخوں کو بند تو کر دیا تھا، لیکن "مرکز" اپنا کام کرتا رہا۔

نقراشی پاشا یہ بھی کر سکتا تھا کہ اس طرح کے مطالبے کو رد کر دے، اور اخوان سے کوئی مفید سمجھوتہ کر لے جو فریقین کے لیے اطمینان بخش ہو۔ اخوان حسن البناء کے سفر حجاز سے واپسی پر پوری طرح سمجھوتے کے لیے تیار تھے، لیکن اسے اس کی توفیق نہ ہوئی اور اس نے مذکورہ بالا جارحانہ اقدام کیا، جس سے ثابت ہوا کہ مصر اب تک مصریوں سے زیادہ اغیار کا ہے اور اس دیار میں ہنوز اغیار ہی کا نفوذ و اقتدار ہے۔ اس کے بعد حسن البنا ان حالات و اسباب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "یہ سب کچھ بین الاقوامی یہودی تحریک، عالمی کمیونزم، سامراجی حکومتوں اور الحاد و بے دینی کے علم برداروں کی کارکردگی ہے کہ یہ لوگ اخوان اور ان کی تحریک کو اپنے ناپاک اغراض کی راہ میں زبردست رکاوٹ سمجھتے ہیں"۔

ایک صحافی نے پوچھا: "اخوان کو ناجائز قرار دیئے جانے کے اصل اسباب کیا ہیں؟" اس کے جواب میں حسن البناء نے کہا: "یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جماعت بندی کے عوامل بھی اس کے اسباب تھے جو پارلیمنٹ کا الیکشن قریب ہونے کے سبب نمودار ہو رہے تھے، کیونکہ یہ بات مشہور تھی کہ "سعد پارٹی" پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرنا چاہتی ہے، تاکہ آئندہ اس کی حکومت برقرار رہے، اور یہ بات بھی مشہور تھی کہ اخوان عوامی حمایت رکھتے ہیں، جو حکومت کی جارحانہ پالیسی کا پامردی سے مقابلہ کرے گی اور کسی طرح اثرات سے عوام کو متاثر نہ ہونے دے گی۔ لہذا جماعتی سیاسی پیش بندی کا تقاضا ہے کہ اس طرح کے اقدام سے ان کو بدنام کیا جائے اور ان کی پوزیشن کمزور کی جائے، اور یہ بھی ضروری تھا کہ دوسرے موثرات کو صورتِ حال پر اثر انداز نہ ہونے دیا جائے اور الیکشن کی تاریخ یعنی اکتوبر 1949ء سے پہلے یہ چال چلی جائے"۔

آنے والے وقت نے اس خیال کی پوری پوری تائید کی۔ چنانچہ 24 فروری 1949ء کو حسن البناء کے قتل کے چند روز بعد ہی "رھوڈس کے صلح نامے" پر دستخط ہونے کا اعلان کیا گیا اور فلسطین سے مسری فوج کو واپس بلا لیا گیا۔

عبدالہادی کی وزارت تقریباً سات ماہ تک قائم رہی۔ اس مدت میں اخوان پر مظالم اپنی انتہا کو پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ بعض مصرین کو یہ خیال ہو گیا کہ اب ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آزمائش و ابتلائے عظیم نے ان کے لیے جلتی پر تیل کا کام دیا۔ اس نے اخوان کو تپا کر کندن کر دیا۔ ناقابل، نااہل اور کمزور افراد جماعت سے باہر نکل گئے اور بھاری اکثریت، جس کو ابتلاء و مصائب نے قوی تر اور راسخ تر بنا دیا تھا، دعوت مسلسل پر برقرار رہی۔ اخوان نے اس درمیانی مدت میں خفیہ طور پر نئے مرشد (صدر) کا انتخاب کر لیا تھا اور ان کی تحریک خفیہ کام کرتی رہی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

25 جولائی 1949ء کو ابراہیم عبدالہادی کی وزارت مستعفی ہوئی اور حسن پاشا کی مشترک و متحدہ (کولیشن) وزارت قائم ہوئی۔ اس نے بعد کو غیر جانب دار وزارت کی شکل اختیار کر لی، اور اسی کی نگرانی میں الیکشن ہوئے، جس میں وفد پارٹی و اخوان کی تائید کی وجہ سے نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور جنوری 1950ء میں نحاس پاشا نے وزارت سنبھالی اور اخوان سے مرسے آہستہ آہستہ ظلم و ستم کا کابوس ہٹنا شروع ہوا۔ ان کے قلم پھر حرکت میں آئے اور ان کے اخبار و رسائل زندہ ہوئے اور انہوں نے جناب حسن الہضیبی کو اپنا مرشد عام (صدر یا امیر جماعت) منتخب کیا، جو سپریم کورٹ کے سابق جج تھے۔

15 مئی 1951ء کو حکومت نے اخوان کی بعض املاک واپس کیں جن میں ان کا "مرکز" دارالاشاعت، پریس اور دیگر شاخوں کے مراکز شامل تھے۔ یہ سب کچھ سپریم کورٹ کے فیصلے کی بنا پر عمل میں آیا جو اخوان کے ساتھ انصاف میں یہ اہم اور تاریخی فیصلہ تھا، جس کی رو سے فیصلہ دیا گیا کہ "اخوان کو ناجائز قرار دیئے جانے کا حکم سراسر غلط تھا"۔ جس سے اخوان نے اپنا گزشتہ مقام و وقار حاصل کر لیا۔

اکتوبر 1951ء میں مصر و برطانیہ کے مابین جنگ نے نازک صورت حال اختیار کر لی۔ اخوان کے رضا کار دستوں نے جنگ آزادی میں نمایاں حصہ لیا، حتیٰ کہ وفد پارٹی کی حکومت نے اپنی شکست سے ایک روز قبل اس بنیاد پر اخوان سے بات چیت کی کہ جملہ رضا کاروں کی مکمل نگرانی و کمانڈ حکومت کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ یہ خبر نمایاں سرخیوں کے ساتھ اخبارات میں سرکاری طور پر شائع کرائی گئی۔

احمد نجیب الہلالی کی وزارت میں اخوان نے خود کو بہت محتاط رکھا، اور بالخصوص داخلی سیاست میں انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ الیکشن میں شریک نہیں ہوں گے۔ ہلالی سے قبل علی ماہر پاشا کی مختصر اور پھر دوبارہ ہلالی کی وزارت دونوں نے اخوان کے ساتھ ایک نیا طرز عمل اور پالیسی اختیار کی۔ علی ماہر نے تو اخوان کے مرشد عام سے مشورہ بھی لیا اور دیگر لیڈروں کے ساتھ ان سے ملاقات بھی کی۔ ہلالی برابر ان سے مشورہ کرتا رہا۔ وزرائے اعظم کی یہ مصالحت و مشاورت اخوان کی سیاسی قوت پر دلالت کرتی ہے۔

اس کے بعد ملکی مصلحتوں کے ساتھ، سابق شاہ فاروق کے سیاسی کھیل اور مطلق العنانی کے نتیجے میں جلد جلد دو دو، تین تین روزہ وزارتیں قائم ہوتی رہیں۔ چنانچہ حسین سری کی وزارت آئی۔ پھر ہلالی کی دوسری وزارت آئی، جس کے قیام کے دوسرے ہی روز جنرل محمد نجیب کی قیادت میں فوجی انقلاب آیا۔ فوج نے علی ماہر کو وزارت کی پیش کش کی پھر شاہ فاروق کو مشورہ دیا گیا کہ وہ حکومت سے اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہو جائے اور ملک چھوڑ دے۔

جنرل نجیب کا فوجی انقلاب 26 جولائی 1952ء کو برپا ہوا تھا۔ اخوان کے تمام رہنماؤں نے اس اقدام کی تائید و حمایت کی۔ حتیٰ اخبارات میں یہ اطلاعات بھی شائع ہوئیں کہ علی ماہر نے مرشد عام کو وزارت میں شرکت کی دعوت دی، لیکن انہوں نے دعائے کامرانی پیش کرتے ہوئے معذرت چاہی۔ اس موقع پر شیخ حسن الباقوری کو اخوان سے تعلق توڑنا پڑا، کیونکہ وہ مرشد عام کی معذرت سے بے خبری میں وزارت میں شامل ہو چکے تھے۔ فوجی انقلاب کے اوائل عہد میں اخوان کا اثر و رسوخ مزید بڑھ گیا، اس لیے کہ فاروق کے عہد میں وہ ہمیشہ ملکی بگاڑ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابتری کے خلاف بغاوت میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے تھے، اور اس کے عہد میں تمام ... ارتوں اور محکموں کے ظلم و ستم کا ہدف بنے رہے تھے۔

اخوان کی شاخوں کی تعداد اب ڈیڑھ ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔ مرشد عام نے مصر ... وشے گوشے میں سرگرمی سے دورے کیے۔ وہ جس علاقے میں بھی جاتے، وہاں نئی شاخیں قائم ہو جاتیں۔ 1953 ... میں صرف قاہرہ شہر میں ستر شاخیں تھیں، اور کارکن ارکان کی تعداد دس لاکھ تھی۔ ایسے کارکنوں کی تعداد لگ ہے جو اپنے مخصوص طریقے پر کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ نہ اپنی عملی سرگرمی کا اظہار کرتے ہیں، اور نہ جماعت کے مخصوص قواعد و ضوابط کے پابند رہنا چاہتے ہیں۔ یہ سب اپنی جگہ، مگر جیسا کہ اخوان کے منشور میں درج ہے، اخوان کے ہاں ہمیشہ ''کیفیت'' کو حاصل ہے، کمیت کو نہیں۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اخوان کا کارکن یا محض مخلص و ہمدرد کسی ... کمپنی یا فیکٹری وغیرہ میں ملازم ہوتا ہے لیکن وہ اپنی دعوت دین پر یقین کامل اور پختہ فہم و استدلال سے اپنے ... ے ماحول پر اثر انداز ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں تمام لوگ یا اکثریت اس کی ہم خیال ہوتی ہے۔ مختلف سیاسی ... حلقوں سے رابطہ و تعلق اور گزشتہ حکومتوں سے کشاکش کے سبب کارکنوں کو عام لوگوں کو مطمئن کرنے کا تجربہ و ملکہ ... حاصل ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اخوان میں کارکنوں کی تعلیم و تربیت کا اس قدر مستحکم اہتمام ہے کہ ایک کاریگر ... ستری یا مزدور بھی اس طرح خطبۂ جمعہ یا دینی درس یا سیاسی تقریر کرتا نظر آئے گا، جیسے کوئی بہترین عالم ہو یا خطیب ... عزم صمیم اور اعتماد کامل کی بدولت وہ مصری معاشرے کے تمام حلقوں میں پھیل گئے ہیں۔

26 جولائی 1952ء کو اخوان کی مجلس عاملہ کا انعقاد ہوا، جس میں ملک کی صورت حال ... بارے میں ایک بیان نشر کرنے اور اصلاح معاشرہ کے بنیادی نکات متعین کرنے کے بارے میں تجویز پاس ہوئی۔ اس کے بعد یکم اگست 1952ء کو اخوان کی ''مجلس تاسیسی'' کا اجلاس طلب کیا گیا، جس نے مجلس عاملہ کی مذکورہ ... تجویز کو منظور کیا۔ چنانچہ اخوان نے ایک بیان شائع کیا جس میں مکمل ملکی تطہیر، اخلاقی، تربیتی، دستوری، معاشرتی، اقتصادی اصلاح کے وسائل، قومی تربیت و تقویت، اور پولیس کی اصلاح کے طریقوں کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے ملکی اصلاح کے بنیادی نکات پیش کیے گئے۔

اس کے بعد فوجی حکومت نے سیاسی پارٹیوں کی رجسٹریشن کا حکم صادر کیا۔ اخوان کی ''مجلس تاسیسی'' میں اس حکم کے مضمرات پر غور ہوا اور اخوان کے آئین پر نظر ثانی کر کے بعض ترامیم منظور کیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ ''مرشد عام کی مدت کار تاحیات کی بجائے تین سال ہوگی، اور ''مجلس تاسیسی'' کے ارکان کی تعداد 150 ہوگی، لیکن مکرر غور کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ ایک بین الاقوامی اسلامی جماعت کی حیثیت سے ''اخوان المسلمین'' کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ خود کو صرف مصر کے قانون جماعت سازی تک محدود و مقید کرے۔ انہوں ... یہ بھی طے کیا کہ فی الحال وہ حصول حکومت کو اپنے مقاصد میں شمار نہیں کرتے ہیں۔ اسی بناء پر وہ الیکشن میں جماعتی ... بنیاد پر شامل نہ ہوں گے، لیکن قومی قیادت اور سیاسی و ملکی معاملات میں تنقید، احتساب اور رائے دہی کا حق اپنے لیے محفوظ رکھیں گے۔ یہ پالیسی اپنا کر وہ سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن کے دائرہ قانون سے صاف بچ گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3دسمبر 1953ء کو اخوان نے اپنے مرکز میں سیرت النبی ﷺ کا جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسے میں صدر مملکت جنرل محمد نجیب و رکن جمال عبدالناصر نے شرکت کی۔ مرشد عام نے تقریر کی۔ ان کے بعد جنرل محمد نجیب نے تقریر کی، جس میں اخوان و مبارکباد دی۔ ان کی روحانی و معنوی قوت کی تعریف کی اور اس کے پہلے مرشد حسن البناء شہید کے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ خوانی کی۔

12 فروری 1953ء جب اخوان کے مرکز میں حسن البناء کی شہادت کی چوتھی برسی ہوئی تو جنرل محمد نجیب اور ان کے ہمراہ تمام وزراء اور افسران بالا تعزیت کے لیے اخوان کے صدر دفتر (مرکز) آئے۔ جنرل محمد نجیب نے ایک تقریر کی جو ریڈیو سے براہ راست نشر کی گئی۔ اس موقع پر جنرل نجیب نے کہا:

> ''حسن البناء کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کی یاد کبھی پرانی نہیں ہو سکتی اور جن کی مرتبت و فضیلت کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مرحوم نے اپنی زندگی اپنے لیے نہیں گزاری، بلکہ قوم کے لیے گزاری۔ انہوں نے ذاتی فائدے کے لیے کوئی کام نہیں کیا، بلکہ ان کا مقصد حیات ہمیشہ فلاح عام رہا''۔

جنرل محمد نجیب کی تقریر پر حسن البناء کے بھائی عبدالرحمٰن البناء نے اپنے خاندان کی طرف سے جواب دیا۔ اس روز ہر ریڈیو سٹیشن سے دو بار جنرل نجیب کی تقریر نشر کی گئی۔ اس رات ریڈیو سے گانے وغیرہ نشر نہیں کیے گئے۔ بلکہ صرف تلاوت قرآن، خبریں اور شہید حسن البناء کی تقریروں کے اقتباسات ہی نشر کیے گئے۔

اس طرح حکومت نے سرکاری طور پر اس بطل جلیل کی چوتھی برسی پر اس کی قدر و منزلت کا اعتراف کیا۔ جس قبر کی طرف چار سال پہلے وہ ''تنہا'' روانہ ہوا تھا، اور جس کے جنازے میں ان کے والد اور فرزند کے سوا اور کوئی نہ تھا، ہاں چند سپاہی تھے جو لوگوں کو جنازے سے دور رکھنے پر مامور تھے۔ آج اس مرد شہید کی قبر پر خود حکومت نے اپنے صدر اور وزراء کے ساتھ حاضر ہو کر پھولوں کی چادر چڑھائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''سیّدات مسلمات'' کی قائد

زینب الغزالی

''تحریک اخوان المسلمین'' کے شعبہ خواتین کی نگران، معروف عالمہ اور دعوت اسلامی کی مجسم تصویر سیّدہ زینب الغزالی (1917ء-2005ء) 8 اگست 2005ء کو رحلت کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ نے حسن البناء اور سیّد قطب شہید کے ساتھ مل کر اسلام کی عظمت رفتہ کے لیے کام کیا اور جمال عبدالناصر کی فوجی حکومت کی سختیاں برداشت کیں۔ ان کو گرفتار کیا گیا اور جیل میں سخت سزائیں دی گئیں۔ ان پر کتے چھوڑے گئے جو ان کو جھنجھوڑتے رہے۔ ان کو بے رحمی سے کوڑے مار مار کر لہولہان کیا گیا۔ ان کی ٹانگ توڑ دی گئی۔ ان کو بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ وضو اور پینے کے لیے پانی تک نہ دیا گیا۔ رفع حاجت کے لیے بیت الخلا جانا بھی ممنوع تھا۔ اس کیفیت کئی روز تک رہی۔ انہوں نے اپنی آپ بیتی ''ایام حیاتی'' میں اپنے اوپر ڈھائے جانے والے مظالم بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا خلیل احمد حامدی مرحوم نے ''روداد قفس'' کے نام سے کیا تھا جس کا ایک اقتباس ''اخوان المسلمین'' کی تاریخ کا سلسلۂ واقعات خاتون زینب الغزالی کے سانحۂ ارتحال پر ان کی قربانی والی زندگی کی یاد آوری کا حق ادا ہو سکے۔ (س ق م)

علیہ اور غادہ کو آئے ہوئے دوسرا دن تھا۔ چنانچہ میں نے مرشد کی عام دروازے کے راستے میں سے اپنی روزانہ کی ملاقات میں انہیں بھی شریک کر لیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ جب سے موصوف یہاں آئے ہیں تمام تعذیب وتشدد کے باوجود مجھے نفسیاتی طور پر بڑا اطمینان وسکون حاصل ہے۔ علیہ نے بھی اپنے والد کو بیت الخلا کی طرف جاتے اور واپس آتے ہوئے دیکھ لیا۔ غادہ بھی اس نرالی زیارت سے لطف اندوز ہوئی۔

بقیہ دن ہم کوٹھڑی میں بیٹھی ہوئیں ادھر ادھر کی باتوں میں لگی رہیں۔ غادہ نے اپنی داستان رفتاری چھیڑ دی۔ بتانے لگیں کہ جب آپ کو گرفتار کر لیا گیا تو حمید و قطب کے پاس گئی۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ پورا خاندان قطب گرفتار ہو چکا ہے۔ آج کی گھڑیاں گراں بھی تھیں اور آہستہ خرام بھی۔ بس درمیان میں باجماعت نماز کی ساعات ان گھڑیوں کی وحشت خیزی کو کم کرنے میں مدد دیتی تھیں۔

تعذیب اور وزارت کی رات

عشاء کی نماز کے فوراً بعد کوٹھڑی کا دروازہ وا ہوا اور بھیڑیا صفت الروبی ایک سپاہی کو ساتھ لیے اندر آیا۔ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں مجھے پھر کسی دفتر میں لے گئے جس کا مزہ میں پہلے دو بار چکھ چکی ہوں۔ دفتر میں میز کے سامنے جو شخص بیٹھا ہوا تھا، میں نے اسے سلام کیا۔ اس کے ہونٹوں پر جنبش تک نہ آئی۔ البتہ وہ مجھے سرخ آنکھوں سے گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا: ''تم زینب الغزالی ہو؟'' میں نے جواب دیا: ''جی ہاں'' اس نے اپنے سامنے والی کرسی کی طرف مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہنے لگا: ''اچھا تم ہو زینب الغزالی! تم نے اس درجہ نفس پر کیوں ظلم ڈھا رکھا ہے۔ کیا یہ سب کچھ اخوان المسلمین کی خاطر ہو رہا ہے؟ حالانکہ ان کے چھوٹے بڑے سب اپنی کھال بچا کر تمہیں تنہا تباہی کے کنوئیں میں دھکیل رہے ہیں اور تم ہو کہ ہمارے لیے لوہے کے چنے بن رہی ہو۔ بہر حال میں نے بھی قسم کھائی ہے کہ تمہیں اس کنوئیں سے کسی نہ کسی طرح نکال لوں۔ میں تمہارے ساتھ ''کچھ لو اور کچھ دو'' کے اصول پر بات کروں گا اور پھر تم بخوشی اپنے گھر چلی جانا۔ یہاں تک بس نہیں بلکہ میں جمال عبدالناصر کے نام سے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہماری اور تمہاری مفاہمت ہوگئی اور تم نے دانش مندی سے کام لیا تو صدر کی طرف سے بلا تاخیر ''سیدات مسلمات'' کا مرکزی دفتر کھول دینے کے احکام جاری ہو جائیں گے۔ تمہارا ماہنامہ بھی بحال ہو جائے گا۔ ماہنامہ کے لیے دو ہزار پونڈ ماہوار اعانت بھی مقرر کر دی جائے گی۔ ''سیدات مسلمات'' کی تنظیم کو بھی بھاری رقم مالی مدد مل جائے گی اور اس تنظیم کو پہلے سے بھی بہتر طور پر کام کرنے کا موقع ملے گا۔ اگر آپ میرے ساتھ صلح کے لیے تیار ہو جائیں تو میں ابھی آپ کے گھر سے ضروری کپڑے منگوا لیتا ہوں تاکہ آپ ایک گھنٹے کے اندر اندر جمال عبدالناصر سے ملیں۔ آپ نے ہم سے بڑا سخت رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ اس تباہی میں آپ کو اخوان المسلمین والوں نے ڈالا ہے۔ اللہ انہیں معاف کرے۔ ورنہ صدر کا دل تو بڑا کشادہ ہے''۔

یہ صاحب روانی سے اپنی تقریر کے جوہر دکھاتے رہے اور میں چپ چاپ بیٹھی سنتی رہی۔ وہ مجھے کہنے لگے: ''زینب بی بی تمہارا یہ ردعمل ہے؟ زینب بی بی، خدا کی قسم! صدر، حکومت اور یہ دو وزارتیں سب برطرف کر کے تمہیں یہ وزارت سونپنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ ہماری مقدم بن جائیں۔ ذرا دل کی گرہیں کھول لیں اور جو کچھ کہنا چاہتی ہیں کہیں۔ آپ خود جان جائیں گی کہ میں آپ کا بھائی اور مخلص خیر خواہ ہوں۔ یہ دان مصر بھی بہت سے بھلے لوگ تم سے محبت کرتے ہیں اور تمہارے حق میں سفارشیں اور اپیلیں کر رہے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھو کہ انہوں نے تمہاری خاطر دنیا میں تہلکہ مچا رکھا ہے''۔

میں نے کہا: حضور میں وزیر نہیں بننا چاہتی۔ زندگی میں کبھی میرے حاشیہ خیال میں بھی ایسی بات نہیں آئی۔ رہا ''سیدات مسلمات'' کی تنظیم اور اس کا مجلہ تو میں نے ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ اسلام کا کام کرنے والوں کے لیے یہ کوئی لازم نہیں ہے کہ وہ کسی تنظیم یا رسالے کی آڑ میں کام کریں، بلکہ ان کے لیے لا الہ الا اللہ کا جھنڈا اپنا فرض سرانجام دینے کے لیے کافی ہے''۔

وہ صاحب کہنے لگے: ''تو پھر تم لوگ اخوان المسلمین کو دوبارہ زندہ کرنے کی کیوں کوشش کر رہے تھے؟''

میں نے کہا: ہم اور آپ ہر چیز کی تعبیر و تفہیم میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مثلاً میں یہ سمجھتی ہوں کہ ''سیدات مسلمات'' کی تنظیم جو 1973ء میں قائم کی گئی تھی، برقرار ہے۔ اسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔ جب کہ عبدالناصر کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ خیال ہے کہ یہ تنظیم اس نے توڑ دی ہے اور اس کے دفاتر، املاک اور دیگر ساز و سامان پر اب وہ قابض ہو چکا ہے۔ آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ دعوتِ اسلامی کی ترویج و اشاعت اور اسلام کی سربلندی کا فریضہ مسلمانوں پر خود اللہ تعالیٰ نے عائد کیا ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، اسے کوئی انسان بند کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ جس طرح سیدات مسلمات کی تنظیم ہماری نظر میں قائم اور باقی ہے اسی طرح اخوان المسلمین کی جماعت بھی باقی اور قائم ہے اسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی دعوت اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور رہے گی۔ کلمہ حق قائم و دائم رہے گا۔ عبدالناصر اور اس کا اقتدار فنا ہو جائے گا مگر اللہ کا کلمہ جریدہ عالم پر ثبت رہے گا اور جب ہم سب کی مہلت عمر ختم ہو جائے گی اور خدائے عزوجل کے حضور پیش ہوں گے تو پھر وہی صورت پیش آئے گی جو خود اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے: (اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ گرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کا دین قائم و دائم ہے۔ امت مسلمہ کا ایسا گروہ ہمیشہ موجود رہے گا جو حق پر قائم ہوگا اور اللہ کے دین کا دفاع اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتا رہے گا۔ مخالفت کرنے والے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ وہ اپنے اصول و نظریات کو سینے سے لگائے رکھے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس تک آ پہنچے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر لے جو معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں اور جو امت پر اللہ کا راستہ واضح کرتے ہیں۔ چنانچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض سرانجام دینے والے اللہ کے رسول کے صحیح جانشین ہیں۔ انہی لوگوں کو مددین اسلام کہا گیا ہے۔ حسن البنا رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت اخوان المسلمین کی تاسیس یونہی الل ٹپ نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل درآمد کے لیے کی تھی کہ اللہ کا دین از سرنو قائم کیا جائے۔ دین کی بنیادوں پر ایک ریاست قائم کی جائے اور اس میں اللہ کی شریعت کو جاری و ساری کیا جائے۔ لہٰذا جمال عبدالناصر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس پر پابندی لگائے اور اسے منسوخ کرے"۔

میں یہ جوابی بیان دے رہی تھی اور وہ صاحب ہمہ تن گوش سن رہے تھے۔ میں جب چپ ہوئی تو وہ کہنے لگے:

"بخدا زینب تم تو فی الواقع بہترین مقررہ ہو، لیکن میں یہاں تمہارے پاس اس لیے نہیں آیا کہ اخوان المسلمین کے متعلق تم سے کوئی سبق پڑھوں اور تم مجھے اخوان المسلمون کا ایک ممبر بنانے کے لیے مائل کرنے کی کوشش کرو۔ میں تو تمہارے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ باہمی اتفاق سے کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جو تمہیں اس مصیبت سے نجات دے جس میں تم نے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ڈال رکھا ہے۔ سنیے:

اخوان المسلمین کے لوگوں نے سازش کی تمام ذمہ داری تم پر ڈال دی ہے۔

عبدالفتاح اسماعیل کا بیان ہے کہ تم نے ہی اسے اس مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔

حسن الہضیبی نے بھی اپنی جان چھڑالی ہے اور الا بلا تمہاری گردن پر ڈال دی ہے۔ ان کے بیان کے موجب یہ تنظیم تم نے ہی قائم کی ہے۔

سید قطب نے بھی اپنی گلو خلاصی کرالی ہے اور سارا چکر تمہارے خلاف چلا دیا ہے۔

پھر یا تو تم بہت ہی نیک ہو اور یا پھر پاگل۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالناصر تمہیں اس تکلیف دہ حالت سے نکالنا چاہتا ہے۔ وہی عبدالناصر جس نے پورے ملک کو اپنی دونوں ٹانگوں میں دبوچ رکھا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے اس سے درگزر کیا جائے اور تعلقات کا نیا باب شروع کیا جائے۔ اسے معلوم ہے کہ آپ شعلہ بیان مقرر ہیں، لوگوں پر آپ کے اثرات ہیں، لوگ آپ کو چاہتے ہیں اور آپ کو عوامی مقبولیت حاصل ہے۔

زینب بڑے خطرے میں جا رہی ہو۔ حالانکہ تمہارے ہاتھ میں جنت جانے والے تاش کے پتے ہیں۔

کیا اس ملک میں کوئی ایسا مائی کا لال موجود ہے جسے عبدالناصر اپنا مقرب بنانا چاہے اور وہ انکار کر دے؟

سچی بات ہے زینب، معاف فرمانا، تم تو بالکل پاگل پن میں مبتلا ہو۔ میں اس لیے صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ مجھے تمہارا خاوند عزیز ہے، خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ تم یتیموں کی پرورش کرتی ہو اور متعدد نیکی کے کام کرتی ہو۔ عقل کے ناخن لو حاجن! کچھ تو اپنی بھلائی سوچو، کچھ تو میری باتوں پر دھیان دو''۔

میں نے کہا ''جو میں گزارش کر چکی ہوں کیا وہ کافی نہیں ہے؟''

وہ صاحب کہنے لگے: ''ہمارا تم سے بالکل معمولی سا مطالبہ ہے۔ اسے پورا کر دینے پر تم دیکھ لو گی کہ حالات یکسر بدل جائیں گے۔ تم ہمیں ان تمام اخوانیوں کے نام بتا دو جو تمہارے گھر آیا کرتے تھے۔ نیز وہ عبدالناصر کو قتل کرنے کے لیے کیا طریق کار سوچ رہے تھے صدر کو قتل کرنے کے لیے تم نے الھضیبی سے کب احکام وصول کیے تھے۔ ہم یہ بھی معلوم کرنا چاہیں گے کہ سیّد قطبؒ کا اس سلسلے میں کیا رول رہا ہے۔ یہ منصوبہ کیسے تیار کیا گیا۔ مجھے عبدالناصر کے سر کی قسم ان سوالوں کا جواب دے دو تو تمہیں راتوں رات جیل سے نکال دیا جائے گا اور ایک لمحے انتظار کیے بغیر تمہیں وزارت معاشرتی بہبود کا قلمدان سونپ دیا جائے گا۔ حاجن! یہ نہایت سنہری موقع ہے۔ جذبات میں آ کر اسے ضائع نہ کرو۔ مجھے اپنی عزت اور صدر کی عزت کی قسم! دانش مند بنو اور اچھی طرح اپنی حالت کا جائزہ لے لو۔ اخوان المسلمین والے تو یک قلم آپا دھاپی میں مشغول ہیں''۔

باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک بدرُو اور بدخو انسان کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا کہ اس کی آنکھوں سے شیطانیت ٹپک رہی ہے۔ اس نے کہا: ''کرنل صاحب! ہم وہ تمام ٹیپ لے آئے ہیں جو اس خاتون کے دونوں گھروں میں 1985ء سے خفیہ طور پر لگاتے رہے ہیں۔ زیتون والے گھر میں بھی اور مصر الجدیدہ والے گھر میں بھی۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم وہ سب حاضر کر دیں تاکہ آپ اس خاتون کو سنا دیں۔'' میرے ''ناصح مشفق'' نے اسے یہ کہہ کر کمرے سے نکال دیا کہ ابھی تمہاری ضرورت نہیں ہے، تم چلے جاؤ اور گفتگو جاری رکھتے ہوئے مجھے کہنے لگا:

''دیکھو زینب بی بی، میں تمہارے خاوند کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ بڑا شریف انسان ہے۔ اور میں اس کی خاطر اور خود تمہاری خاطر کوئی خدمت سرانجام دینا چاہتا ہوں۔ تمہارے بعض بھائی بھی میرے جگری دوست ہیں۔ میں تمہاری بہبود چاہتا ہوں۔ خود صدر صاحب کی بڑی خواہش ہے کہ تم سے صلح ہو جائے۔ وہ بھی حقیقت میں تمہارے حق میں بہتری کے خواہاں ہیں۔ میں اپنی عزت اور صدر عبدالناصر کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ مفاہمت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلیں تو میں ابھی آپ کے سامنے تمام میں نذر آتش کردوں گا۔ہم آپ کو اس کھڈ میں سے نکالنا چاہتے ہیں جس میں اخوان المسلمین نے تمہیں پھینک دیا ہے۔ خدائے بزرگ برتر کی قسم، ہم لوگ اخوانیوں سے اچھے مسلمان ہیں۔ اسلام کیا ہے؟ اسلام یہی ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو ضرر نہ پہنچائے''۔

میں نے تمسخر کے ساتھ جواب دیا:''آپ اس جیل میں جو مناظر دیکھ رہے ہیں۔کیا ان میں آپ کو اپنے بھائیوں بلکہ تمام خلقِ خدا کے ساتھ ضرر رسانی کا کوئی پہلو نظر نہیں آیا؟''

اس نے نہایت احمقانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا:''ہم بہت اچھے لوگ ہیں۔ رسول کی قسم! آپ ہمارے ساتھ کچھ تو نرم ہو جائیں۔آپ جلد ہی دیکھ لیں گی کہ ہم کس قدر شریف اور بھلے مانس لوگ ہیں''۔

میں نے عرض کیا:''خدا تمہیں توبہ کی توفیق دے اور تم فی الواقع مسلمان بن جاؤ''اتنا سن کر میز کی دراز سے ایک کاغذ نکالا اور قلم ہاتھ میں تھام کر کہنے لگا:''زینب بی بی، فرمائیے کون کون آپ کے گھر میں آتے رہے ہیں؟''

میں نے جواب دیا:''مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔اس لیے کہ میں لوگوں کے نام حفظ نہیں کرتی اور نہ کبھی کسی سے میں نے نام دریافت کیا ہے''۔

کرنل:''اچھا چھوڑیئے، اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے۔حسن الہضیبی اور سید قطبؒ کے متعلق کچھ بات ہو جائے''۔

زینب:''کون سی بات؟''

کرنل:''عبدالناصر کو قتل کرنے اور حکومت پر قبضہ کرنے والی بات''۔

زینب:''استاد! مسئلہ عبدالناصر کو قتل اور اقتدار پر قبضہ کرنے سے بھی کہیں زیادہ بڑا ہے۔عبدالناصر کو قتل کرنا تو ایک حد درجہ گھٹیا حرکت ہے۔اسلام کے داعیوں کے لیے یہ موضوع خارج از بحث ہے۔سارا جھگڑا دراصل اسلام کی وجہ سے برپا ہے۔اس وقت ملک میں اسلامی نظام قائم نہیں ہے اور ہم اسلام کی سچی، مخلص اور باشعور نسل تیار کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔اب اگر عبدالناصر اسلام کے علمبرداروں پر ستم توڑ کر اسلام کے خلاف جنگ برپا کرنا چاہتا ہے اور اسلامی شریعت کے مطابق نظام حکمرانی قائم کرنے سے اس لیے انکار کرتا ہے کہ اسلام رجعت پسندی، پسماندگی اور تنگ نظری کا نام ہے، تو یہ زعم باطل اسے مبارک ہو۔ہم ایسی باتوں سے متاثر ہونے والے نہیں ہیں۔

کرنل (بلبلا کر) تم بالکل ہی پاگل ہو رہی ہو۔یہ کتنی خطرناک بات تم نے کہی ہے۔کیا تمہیں معلوم ہے کہ اگر ابھی تمہاری گردن اڑا دی جائے اور اسی جگہ دفن کر دیا جائے تو کسی کو تمہارے اس انجام کی خبر تک نہ ہو سکے گی۔تم جو رویہ اختیار کیے ہوئے ہو، وہ تمہیں ایسے خوفناک انجام کا مستحق ٹھہرانے کے لیے کافی ہے۔اگر اب تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں تو ایک گھنٹے کے بعد تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا''۔

میں نے اس دھمکی کے جواب میں بڑی بے نیازی سے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔تمام اختیار و اقتدار اسی کے ہاتھ میں ہے۔میں ابھی اپنا جواب مکمل نہ کر پائی تھی کہ اس ''ناصح مشفق'' نے بے دردی سے درندے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روپ دھار لیا۔ اس پر گویا مرگی کا حملہ ہو گیا اور ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہو کر مجھے بے تحاشا گالی بکنے لگا۔ پھر اس نے ایک سپاہی کو پکارا اور اسے کچھ اشارہ کیا، جس کے فوراً بعد ریاض ابراہیم پہنچ گیا۔ اسے کہنے لگا: یہ کتیا میں عدالت کے لیے رہنے دیں۔ اس عورت کا دماغ چل گیا ہے۔ اس کے ساتھ جو معاملہ کرنا ہے اسے خوب سمجھا لو۔ سعد کو بلاؤ کہ وہ اسے سنبھالے۔"

پھر یہ "شفیق ناصح" جو میرے ساتھ سودا بازی کر رہا تھا، واپس چلا گیا۔ سپاہی سعد آ گیا اور وہ ریاض ابراہیم سے کہنے لگا: "حکم دیجیے پاشا صاحب" ریاض ابراہیم نے کہا: "سعد اسے درست کر دو۔" سعد نے پوچھا پاشا صاحب کتنے کوڑے؟ پاشا نے کہا: "پانچ سو۔ میں تھوڑی دیر کے بعد آکر پتہ کراؤں گا۔"

سعد نے میرے ہاتھ، پاؤں، پشت غرضیکہ جسم کے ہر ہر حصے پر کوڑے مارنے شروع کر دیے۔ ایک دور پورا کرنے کے بعد اس نے مجھے رخ بہ دیوار کھڑا کر دیا اور خود تقریباً گھنٹہ بھر کے لیے غائب ہو گیا۔ واپس آیا تو اس نے تازیانوں کا دوسرا دور شروع کر دیا۔ میں کبھی ہوش کھو بیٹھتی اور کبھی ہوش میں ہوتی۔ پھر یہ لوگ چند اخوانی نوجوانوں کو لے آئے۔ ان پر بھی تازیانوں کی بارش شروع کر دی۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان کو نہایت فحش اور غلیظ گالیاں دیتے اور ان سے مطالبہ کرتے کہ وہ یہ گالیاں مجھے دیں۔ لیکن داد دیجیے ان کی نوخیز جوانیوں کو کہ یہ میرے حق میں کسی قسم کا بھی نازیبا لفظ منہ سے نکالنے سے صاف انکار کر دیتے جس کے نتیجے میں انہیں مزید تازیانے کھانے پڑتے۔ ان نوجوانوں میں سے خیر الطوبجی بھی تھا جس بیچارے کو ان لوگوں نے عین شادی کی تقریب میں گرفتار کر لیا تھا۔

جمال عبدالناصر اور اخوان المسلمین

حسن البنا کی شہادت کے بعد سے 1950ء تک تحریک کا پورا نظم و نسق احمد اسا قوری کے ہاتھ میں رہا۔ اس کے بعد "الاخوان" کی ہیئت تاسیسیہ (جنرل اسمبلی) نے تحریک کے معاملات صالح العشماوی (مدیر "الدعوۃ") کے سپرد کر دیے جو تنظیم کے نائب مرشد عام بھی تھے اور حسن البناء (مرشد عام) کی عدم موجودگی میں ان کی ذمہ داریاں سنبھالا کرتے تھے۔ غیر متوقع طور پر جنرل اسمبلی کے باہر ایک شخص حسن الہضیبی کو 17 اکتوبر 1951ء کو مرشد عام بنا دیا گیا۔ حسن الہضیبی 1942ء میں "الاخوان" کے زیر اثر آئے تھے اور حسن البناء سے بہت متاثر تھے۔ ان کی شخصیت میں وہ ساحرانہ کشش نہ تھی جو تحریک کے بانی کی خصوصیت تھی۔ ان کے تقرر نے "الاخوان" کے اندر اختلاف پیدا کر دیا۔ اس اختلاف کے نتیجے میں اگرچہ کوئی متوازی جماعت وجود میں نہ آئی، تاہم یہ چیز بالکل بے اثر بھی نہ رہی۔

شاہ فاروق شروع سے تحریک سے حد درجہ خائف تھا اور حسن البناء سے بے حد مرعوب۔ اس نے انگریزوں کے اشارے پر اخوان اور انقلاب پسند فوجی افسروں کے خلاف استعمال کرنا چاہا، مگر یہ ممکن نہ ہو سکا۔ انقلاب کے شروع ہوتے ہی اخوان نے انقلاب کی پوری حمایت کی اور فوجی افسروں سے مل کر اپنے مشترکہ دشمن شاہ فاروق سے پیچھا چھڑا لیا۔ شاہ فاروق کا تو کہنا یہ تھا کہ اسے نکالنے والے اصل میں اخوان ہی تھے اور انہوں نے ہی فوجی افسروں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اس کے خلاف استعمال کیا۔

فوجی افسروں سے اخوان کے تعلقات

فوجی افسروں سے اخوان کے تعلقات کی ابتدا دوسری جنگ عظیم کے آغاز (1940ء) میں ہو چکی تھی۔ حسن البناء نے اپنی دعوت کو فوجی افسروں میں پھیلانے کی طرف خاص توجہ کی تھی اور مختلف ذرائع سے فوج میں نفوذ حاصل کر لیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں اخوان کا اثر فوج میں اور زیادہ بڑھ گیا۔ 1948ء کی جنگ فلسطین میں اخوان اور فوجی افسر دوش بدوش لڑے اور اخوان کی پامردی اور خلوص نے ان افسروں کو بہت متاثر کیا۔ خود جمال عبدالناصر پر اخوان سے ہمدردی کا الزام تھا۔ 52-1951ء کی جنگ سویز میں اخوان کو پھر فوجی افسروں کی معیت میں دادِ شجاعت دینے کا موقع ملا۔ اس طرح دونوں بہت قریب آ گئے۔ 1948ء میں تنظیم کے غیر قانونی قرار دیئے جانے کے بعد بھی دونوں کے تعلقات برقرار رہے تھے، مگر ان تعلقات کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ ایسے فوجی افسر بھی کم نہ تھے جو اپنا طریق کار اخوان سے آزاد رہ کر متعین کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سے بعض اخوان سے قریب ہونے کے باوجود مغربی اثرات کے تحت سیکولرازم کی طرف مائل تھے۔

23 جولائی 1952ء کو فوجی انقلاب برپا ہو گیا۔ انقلابی کونسل اخوان سے ہمدردی رکھتی تھی، چنانچہ حسن البناء کی برسی کے موقع پر اعلیٰ فوجی افسروں نے انہیں خراجِ عقیدت و تحسین پیش کیا۔ شروع میں دونوں میں اتنی قربت تھی کہ انقلابی کونسل کو اخوان کا آلۂ کار سمجھا جانے لگا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اب جدید اور نئے مصر کی تعمیر ان اصولوں پر ہو اور کس کی رہنمائی میں ہو؟

اسلام یا سوشلزم

یہ ایسا سوال تھا جس نے دونوں کے درمیان اختلاف کی ناقابلِ عبور خلیج پیدا کر دی، جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی چلی گئی۔ اخوان اسلامی ریاست کے قیام کے خواہاں تھے۔ انقلابی ان کی رہنمائی پر کسی طرح رضامند نہ تھے اور بعض تو سیکولر ریاست کو ترجیح دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ صدی کا نصف اول مصر میں وطن پرستی یعنی وطن پر مبنی قوم پرستی کا دور تھا۔ لیکن 1952ء کے انقلاب کے بعد مصر میں جس دور کا آغاز ہوا، وہ عرب قوم پرستی اور سوشلزم کا دور ہے۔ وطن پرستی (قومیت) حصول آزادی کا ایک ذریعہ تھی اور جب مصر انگریزوں سے آزاد ہو چکا تو وطن پرستی کے نظریے کی قوت متحرکہ ختم ہو گئی۔ مصری اب یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ ایک وسیع تر عرب دنیا کے رکن ہیں اور ان کے بہت سے مسائل کا حل عرب دنیا کے اتحاد سے وابستہ ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ دنیا اب بین الاقوامیت کی طرف جا رہی ہے اور وطنی حد بندیاں کمزور پڑ رہی ہیں۔ چنانچہ اس عالمگیر رجحان سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے انہوں نے سوشلزم کا مسلک اختیار کیا۔ سوشلزم کو اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وطن پرستی اور سرمایہ دارانہ معیشت کے نظام سے مصری عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا تھا اور مصر کے وطن پرست چونکہ سیکولرازم کے حامی تھے، اس لیے انہوں نے فطری طور پر اپنے مسائل کا حل اسلام سے باہر تلاش کیا۔ جو سوشلزم ہی ہو سکتا تھا کیونکہ اس وقت وہ دنیا کے ایک بڑے حصے میں سکہ رائج الوقت تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے علاوہ چونکہ فلسطین کے مسئلے کی وجہ سے عربوں کی براہ راست مغرب سے کشمکش شروع ہوگئی تھی، اس لیے عرب یہ سمجھتے تھے کہ وہ سوشلزم اختیار کر کے دنیا کے ایک بڑے بلاک سے، جو مغرب کا حریف ہے، اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مدد حاصل کر سکیں گے۔ اگرچہ 1956ء کے آئین میں بہت سے دوسرے مسلم ملکوں کی طرح مصر میں بھی اسلام کو سرکاری حیثیت دی گئی تھی، لیکن یہ صرف رسمی چیز تھی۔

جمال ناصر کے دور میں مصری حکومت کی طاقت کا سرچشمہ اسلام نہیں، بلکہ عرب قومیت اور سوشلزم تھے۔ صدر ناصر جدید عرب سوسائٹی اور اس کے حقوق و فرائض کے متعلق وہ نقطۂ نظر رکھتے تھے جو اسلامی شریعت اور خدا کی مقرر کردہ حدود کا پابند نہیں تھا، بلکہ اس کا تعین مغربی سوسائٹی اور جدید فکر کی بنیاد پر کیا گیا تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی تصنیف ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' جو 1962ء میں لکھی گئی میں رقم طراز ہیں: صدر ناصر نے جس قومی منشور ''المیثاق الوطنی'' کا اعلان کیا تھا، اگر اس منشور سے مصر کا لفظ نکال دیا جائے جو بار بار آتا ہے اور جس کی وجہ سے اس معاشرے اور ماحول کا پتہ چل جاتا ہے، جس کے لیے یہ منشور مرتب کیا گیا تھا، اور اس کو کسی سیکولر اور اشتراکی ریاست کی طرف منسوب کر دیا جائے تو کچھ فرق نہیں پڑے گا، اس لیے کہ یہ سب حکومتیں عقیدے کی آزادی اور انسان اور تہذیب انسانی پر مذاہب سے پیدا ہونے والی روحانی اقدار کے اثر و تسلط کی معترف ہیں۔

مولانا علی ندوی نے اسی تصنیف میں مزید رائے زنی کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس انقلاب کے قائدین نے مصری سوسائٹی اور مصری فکر و دماغ کی مکمل تبدیلی اور تشکیل جدید کے لیے ٹھوس قدم اٹھائے جو دراصل پوری عرب قوم کی ذہنیت تبدیل کرنے کا ایک ابتدائی مرحلہ تھا۔ انہوں نے عربی قومیت پر ایک مذہب اور عقیدے کی طرح زور دیا۔ انہوں نے ''العودۃ للعرب'' کے نعرے لگائے۔ ملحدین کی حوصلہ افزائی کی گئی اور اہل قلم افراد اور اخبار نویسوں کو اس معاملے میں بالکل چھوٹ دے دی گئی کہ وہ جو چاہیں لکھیں۔ دین اور اس کے شعار کا کھلم کھلا مضحکہ اڑائیں۔ دین کی بے حرمتی کریں اور سوسائٹی میں بے حیائی، بے راہ روی اور فسق و فجور پھیلائیں۔ پریس کو قومیانے سے ان چیزوں میں کچھ اضافہ ہی ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحافت میں عریاں اور فحش تصویروں، گندے اور جنسی افسانوں، جرائم اور جنسی جذبات کی محرک خبروں اور واقعات کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ اس کا در پردہ مقصد یہ تھا کہ رفتہ رفتہ سوسائٹی اور عقلیت کو بالکل تبدیل کر دیا جائے اور اس پر مادی رنگ اور اشتراکی طرز پوری طرح غالب آ جائے۔

جمال ناصر اور اخوان المسلمین

اس انقلاب کا عرب دنیا پر گہرا اثر پڑا، لیکن مغربی افکار و نظریات رکھنے والے اونچے طبقے پر گہرے اثرات کے باوجود نیا معاشرہ اور نیا نظام اہل مصر کے لیے قبول کرنا آسان نہ تھا۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ وہاں اخوان المسلمین کی زبردست اسلامی تحریک عوام اور نوجوانوں میں کافی جگہ بنا چکی تھی۔ انقلاب 1952ء کے موقع پر وفد پارٹی اور اخوان المسلمین صرف دو جماعتیں بااثر تھیں۔ جنوری 1953ء میں وفد پارٹی اور دوسری جماعتوں کو ختم کر دیا گیا۔ صرف اخوان باقی رہے۔ انہوں نے انقلاب کا پرجوش خیر مقدم کیا تھا، بلکہ ناصر کی ''ڈائری'' میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتراف کیا گیا ہے کہ اخوان کے فوجی شعبے کے انچارج میجر محمود پہلے سپاہی تھے، جنہوں نے فوج میں آزادی کی روح پھونکی اور خفیہ گروہ منظم کیے اور انقلاب کے ابتدائی اور خطرناک دنوں میں امن وامان قائم رکھنے میں پوری مدد دی۔

اخوان کے اسی تعاون کا نتیجہ تھا کہ فوجی انقلاب کے بعد سے ان پر تمام پابندیاں ہٹائی گئیں اور ان کی جائیداد اور املاک واپس کر دی گئی تھیں، لیکن اب اخوان کے لیے ایک آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہو گیا تھا۔ حکومت نے ان کو صرف ایک مذہبی جماعت کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دی۔ اخوان کے لیے مذہب اور سیاست کی علیحدگی کا یہ تصور نا قابل تصور تھا۔ ''اخوان'' اسلامی اصولوں کی بنیاد پر اصلاحات کرنا چاہتے تھے اور آئینی حکومت بحال کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وفد کے رہنماؤں اور اخوان نے سیاسی جماعتوں کی بحالی اور آئینی حکومت کے قیام کے لیے مہم چلائی اور اس مقصد کے لیے جنرل نجیب کی ہمدردی حاصل کرنا چاہی، جو اخوان کے حلقوں میں ایک محبوب شخصیت تھی، لیکن انقلابی کمانڈ کونسل کے دوسرے رہنما جمال عبدالناصر کسی اور ہی انداز میں سوچ رہے تھے۔ اخوان کا نصب العین واضح تھا لیکن ناصر کا خفیہ۔ اور جیسا کہ بعد میں پتا چلا ناصر کا راستہ آمریت سیکولرازم اور مغربی مادیت کے مراحل سے گزر کر اشتراکیت تک جانے والا راستہ تھا، اور اخوان کا راستہ جمہوریت کی وادی سے ہو کر احیائے اسلام کے نصب العین تک جاتا تھا۔ جنرل نجیب درمیانی آدمی کی حیثیت سے دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے ملانے والے پل تھے۔ جب اخوان نے جنرل نجیب کی ہمدردی حاصل کرنا چاہی تو جمال ناصر نے ان کو پہلے وزارتِ عظمیٰ سے، پھر صدارت کے عہدے سے الگ کر دیا اور یہ دونوں عہدے خود سنبھال لیے۔ جنرل نجیب نے اپنی سوانح ''مصر کا مستقبل'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے انقلابی کونسل کے اختیارات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور یہ شکایت کی تھی کہ ان کو موثر کردار ادا کرنے کی بجائے ایک عضو معطل بنا دیا گیا ہے۔ جنرل نجیب کی برطرفی سے وہ پل ٹوٹ گیا جو اخوان اور فوجی افسروں کو ملائے ہوئے تھا اور اب اخوان اور ناصر کے درمیان براہِ راست کشمکش شروع ہو گئی۔

حسن الہضیبی: اخوان کے دوسرے مرشد عام

حسن البناء کے بعد اخوان کی قیادت حسن الہضیبی (1891ء۔1965ء) کے سپرد ہوئی۔ حسن البناء عربی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتے تھے اور ان کی تعلیم بھی قدیم انداز پر ہوئی تھی۔ ہضیبی نے ان کے برعکس جدید تعلیم حاصل کی تھی۔ اور کئی زبانیں جانتے تھے۔ ہضیبی نے 1915ء میں مصری کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ 1924ء تک وکالت کی۔ اسی سال وہ عدلیہ مصریہ میں حاکم (جج) ہو گئے اور ستائیس سال اس عہدے پر کام کیا اور عدالت فائقہ (سپریم کورٹ) کے مشیر رہے۔ وہ ساٹھ سال کی عمر میں 17 اکتوبر 1951ء کو اخوان المسلمین تحریک کے مرشد عام یعنی سربراہ منتخب ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اخوان ابتلا اور آزمائش کی پہلی منزل سے گزر چکے تھے اور وفد پارٹی کی نئی حکومت نے ان پر سے پابندیاں اٹھالی تھیں۔

حسن الہضیبی نے اخوان کی قیادت سنبھالنے کے بعد شاہ فاروق اور ناصر، دونوں کے عہد میں پوری کوشش کی کہ حکومت سے اخوان کا کوئی تصادم نہ ہو، لیکن اخوان اور انقلابی فوجیوں کی بڑی تعداد کے درمیان جو نظریاتی اختلافات مستحکم ہو چکے تھے، وہ مزید پختہ ہو گئے۔ حسن ہضیبی نے اپنے ایک بیان میں، جو انقلاب کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد اخوان کی منزل مقصود کیا ہے۔ اس بیان میں انہوں نے اور باتوں کے علاوہ اس پر زور دیا تھا کہ مصر میں جلد از جلد ایسی مجلس آئین ساز منتخب کی جائے جو ملت اسلامیہ کے بنیادی عقائد پر مبنی دستور تیار کرے۔ ہضیبی کے اس بیان سے فوجی حکام بالعموم اور جمال ناصر بالخصوص اخوان سے ناراض ہو گئے۔ اس کے بعد متعدد ایسے واقعات پیش آئے، جن کی وجہ سے یہ خلیج اور کشادہ ہو گئی۔ حکومت نے اخوان کو سرکاری جماعت "نیشنل ریلی" میں ضم کرنا چاہا تو اخوان نے خود کو ایک دینی جماعت کہہ کر اس میں ضم ہونے سے انکار کر دیا۔ اخوان کو تین وزارتیں بھی پیش کی گئیں، لیکن انہوں نے یہ پیش کش بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم حکومت کے لیے بے لوث خیر خواہ ہیں۔ اگر حکومت اچھا کام کرے گی تو ہم تائید کریں گے، لیکن اگر غلط کام کرے گی تو ٹوکیں گے۔

جب اخوان کسی طرح قابو میں نہ آئے تو جمال ناصر نے، جو جنرل نجیب کے عہد میں مجلس وزراء کے رئیس تھے، اخوان کے خلاف الزام تراشیاں شروع کر دیں اور ان پر دہشت پسندانہ سرگرمیوں کا الزام لگایا۔ حسن الہضیبی نے ناصر کے نام ایک خط میں ان تمام الزامات کی تردید کی اور لکھا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ رات دن بغیر کسی محافظ کے تنہا کسی بھی جگہ اطمینان سے آ جا سکتے ہیں۔ مجال ہے کہ کوئی اخوان آپ کی طرف انگلی بھی اٹھائے، جس کا اندیشہ موہوم آپ کو لاحق ہے۔ ہضیبی نے خط میں یہ بھی لکھا کہ دلائل کے ساتھ واضح طور پر بتا دیا جائے کہ جس راستے پر ہم گامزن ہیں، وہ قوم کی سلامتی اور بھلائی کا راستہ ہے یا جس پر آپ جا رہے ہیں، وہ صحیح راستہ ہے۔ یہ بات واضح ہو جائے تو ساری قوم مطمئن ہو سکتی ہے۔

حسن بن اسماعیل الہضیبی

جن حالات کی وجہ سے اخوان المسلمین اور جمال عبدالناصر کی حکومت میں تصادم ناگزیر ہو گیا، وہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ 13 جنوری 1954ء کو اچانک اخوان المسلمین کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا اور حسن الہضیبی اور ان کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اخوان کی سرگرمیاں اس پابندی کے بعد بھی ختم نہیں ہوئیں۔ 7 جولائی 1954ء کو حکومت نے جب انگریزوں سے معاہدہ کیا تو اخوان نے اس کی شدت سے مخالفت کی اور اس معاہدے کو برطانیہ کے ہاتھ مصر کو فروخت کر دینے کے مترادف قرار دیا۔ اس معاہدے کی مخالفت کرنے کی وجہ سے حکومت نے 10 ستمبر 1954ء کو روزنامہ "اخوان المسلمون" کو بند کر دیا۔ 26 اکتوبر کو ناصر کے اوپر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس نے ناصر کو اخوان کے خلاف کارروائی کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اخوان بار بار تردید کرتے رہے، لیکن ناصر نے اس حملے کا ذمہ دار اخوان ہی کو قرار دیا اور اس کی آڑ لے کر اخوانی کارکنوں کی گرفتاریاں شروع کر دیں۔ مصر کے مشہور اخبار "المصری" کے ایڈیٹر احمد ابوالفتح کے بیان کے مطابق، چند ہفتوں کے اندر اندر گرفتار ہونے والوں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ ان میں سید قطب اور عبدالقادر عودہ جیسے مفکر اور ادیب بھی شامل تھے۔ 7 نومبر 1954ء کو فوجی عدالت نے چھ ممتاز رہنماؤں کو صفائی کا موقع دیئے بغیر سزائے موت کا حکم سنایا۔ حسن الہضیبی کو بھی سزائے موت دی گئی، لیکن بڑھاپے کی وجہ سے پھانسی کی سزا عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اخوان'' جیسی عظیم الشان اسلامی تحریک کے صف اول کے قائدین کے حالات سے ہمارے پاکستان کے اکثر و بیشتر لوگ بے خبر ہیں۔ اس وجہ سے ضروری سمجھا گیا ہے کہ چیدہ چیدہ رہنماؤں کے حالات زندگی بھی بیان کر دیے جائیں۔

مرشد عام الہضیبی کے حالات

1949ء میں مرشد اول حسن البناء کی شہادت کے بعد اخوان المسلمون کی جدوجہد ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔ اگرچہ وزیر اعظم ابراہیم الہدی پاشا جولائی 1949ء میں مستعفی ہونے پر مجبور ہوگیا تھا اور اس کی جگہ نئے انتخابات تک حسین سری پاشا کو نگران حکومت کا سربراہ بنایا گیا تھا، لیکن اخوان کی سرگرمیاں تقریباً معطل ہی رہیں۔ اخوان کے لیے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ مرشد عام کا انتخاب اور اخوان کی سرگرمیوں کو معمول پر لانا تھا۔ حسین سری پاشا کی حکومت میں گرفتار شدہ اخوانی بتدریج رہا ہونے شروع ہوگئے تھے۔ نئے انتخابات 1950ء میں منعقد ہوئے۔ وفد پارٹی نے سب سے زیادہ نشستیں حاصل کیں، جس کے نتیجے میں مصطفیٰ نحاس پاشا وزیر اعظم بنائے گئے۔ ان کے اقتدار پر آتے ہی اخوان نے سکھ کا سانس لیا اور صالح عشماوی ڈپٹی لیڈر کی رہنمائی میں کام کا آغاز کر دیا گیا۔ مشاورتی اسمبلی نے کثرت رائے سے حسن بن اسماعیل الہضیبی کو نیا مرشد عام منتخب کیا۔ وہ زمانہ روزگار شخصیت تھے۔ 1954ء سے لے کر ان کی وفات (1971ء) تک زیادہ عرصہ قید و بند میں گزارا۔ اس عرصے میں آپ پر اتنی سختیاں کی گئیں کہ ایک سے زیادہ مرتبہ دنیا کے مختلف ممالک میں آپ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ حتیٰ کہ 1967ء میں بیروت اور کویت کے اخبارات نے نہایت وثوق سے یہ خبر شائع کی کہ وہ قید خانے میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ جمال ناصر کی وفات کے بعد آپ جیل سے رہا ہو کر 1972ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو اخوانی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ایک دفعہ پھر یہ امید پیدا ہوگئی کہ اخوان ان کی قیادت میں دوبارہ سرگرمی سے کام شروع کریں گے۔ لیکن مسلسل بیماری، تشدد اور قید تنہائی کے باعث آپ کی صحت جواب دے چکی تھی۔ چنانچہ اگلے 11 نومبر 1973ء بمطابق 13 شوال 1393ھ کو انتقال فرما گئے۔ مصر کے سابق صدر جنرل نجیب نے اپنے تعزیتی پیغام میں آپ کو ''مصر کا عظیم انسان'' کے نام سے یاد کیا۔

ابتدائی حالات

حسن بن اسماعیل الہضیبی 1891ء/1309ھ شائی بن کے علاقے عرب الصوالحہ کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم قریبی قصبے قطب سے حاصل کی۔ انٹرنس کا امتحان پاس کیا تو والدین کی خواہش تھی کہ ان کا فرزند جامعہ الازہر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔ لیکن آپ کا ارادہ بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کا تھا۔ چنانچہ والدین کی خواہشات کے باوجود آپ قاہرہ کے لا سکول میں داخل ہوگئے 1915ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی اور قوم پرست لیڈر حافظ محمد رمضان کے نائب کی حیثیت سے پریکٹس کرنے لگے۔ 1919ء میں سعد زاغلول پاشا نے انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی تو حسن البناء کی طرح آپ بھی تحریک آزادی میں شامل ہوگئے۔ نو سال پریکٹس کرنے کے بعد مارچ 1942ء میں آپ اپیل کورٹ کے جج بنا دیئے گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلسل ستائیس برس تک آپ محکمہ قانون سے وابستہ رہے۔ 1951ء میں اخوانی رہنماؤں کے مشورے پر سرکاری ملازمت کو خیر باد کہہ کر خود کو اخوان المسلمین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ آپ کی شادی شاہی خاندان کے چیمبر لین نجیب سلیم بیگ سے ہوئی۔

اخوان المسلمین میں شمولیت

حسن ہضیبی نے اخوان المسلمون میں اپنی شمولیت کے بارے میں لکھا ہے: ''ایک روز چند دیہاتی نوجوان مجھ سے ملنے آئے۔ ہر دور مرتبے میں اپنے سے بڑوں سے ملنے میں نوجوانوں کے اندر جو جھجک پائی جاتی ہے اور جس کی وجہ سے وہ بڑوں سے ملاقاتوں سے ہچکچاتے ہیں، یہ سب کچھ ان میں نہیں تھا۔ ان کے رویے میں جرأت، یقین وغیرہ تھا۔ باتیں ہونے لگیں۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ یہ دیہات کے رہنے والے، معمولی پڑھے لکھے، کتنے ادب اور اعتماد کے ساتھ بڑوں کے پاس بیٹھے ہیں۔ مجھے ان میں ذرہ برابر تصنع اور بناوٹ کی جھلک نظر نہیں آئی۔ وہ سب کو برابر سمجھتے ہیں۔ یہ محسوس نہیں کرتے کہ کوئی ان سے بڑا بھی ہے۔ مصر کے مسائل کے متعلق وہ ایسے انداز میں باتیں کرتے رہے، جیسے کوئی مہذب اور پڑھا لکھا نوجوان باتیں کر رہا ہو۔ مسائل کا حل بھی ان کے پاس تھا۔ دینی مسائل میں ان کی گفتگو نہایت سلجھی ہوئی، سنجیدہ اور تقلید سے یکسر آزاد تھی۔ صرف دینی مسائل ہی پر نہیں، بلکہ دنیاوی مسائل پر بھی بولنے کی قدرت رکھتے تھے۔ مجھے ان کے رویے اور انداز کو دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا کہ تم لوگوں نے یہ سب کچھ کہاں سے سیکھا ہے؟ کہنے لگے: ''اخوان المسلمین'' سے۔ ہم ایسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی دعوت ہمہ گیر ہے۔ تربیت، اخلاق، سیاست، معیشت، معاشرت کی اصلاح اور تمام چھوٹے بڑے مسائل پر حاوی ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ بھی اس جماعت کے ہمہ گیر نظریے سے الگ نہیں۔۔۔۔۔ اس دن سے مجھے اخوان کی تحریک سے دلچسپی پیدا ہوگئی اور میں نے ان کا لٹریچر پڑھنا شروع کر دیا۔ داعی سے تعارف کا موقع پیدا ہوئے بغیر ان کی دعوت سے دلچسپی بڑھنے لگی۔ میں نے اسے ان کے ہاتھوں کے لگائے ہوئے پودوں سے پہچانا تھا''۔

خفیہ رکنیت اور سربراہ میاں

1942ء سے 1951ء تک آپ اخوان کے خفیہ رکن رہے۔ حسن البناء کی شہادت کے بعد مکتب ارشاد (اسمبلی) نے آپ کو مرشد عام مقرر کیا۔ یہ عہدہ آپ نے اس شرط پر قبول کیا کہ جتنی دیر وہ سرکاری ملازمت میں رہیں گے، اسے خفیہ رکھا جائے گا۔ چنانچہ ڈپٹی لیڈر صالح عشماوی مرشد عام کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ 1951ء میں آپ کی خفیہ رکنیت ختم کر دی گئی۔ تو آپ نے سرکاری ملازمت کو خیر باد کہہ دیا اور عملی سیاست میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ 7 اکتوبر کو اخوان نے مرشد عام کے انتخابات منعقد کرائے۔ کل پانچ امیدواروں میں سے کونسل نے آپ کو تاحیات مرشد چنا۔ آپ کے انتخاب کے فوراً بعد استاد صالح عشماوی، حسن الباقوری اور عبدالرحمٰن السندی وغیرہ نے مل کر کونسل پر دستور کی خلاف ورزی کا الزام عائد کیا اور آپ کو مرشد عام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اخوان میں اندرونی کشمکش شروع ہوگئی اور بدنظمی سے اخوان کی پوزیشن خاصی متاثر ہوئی۔ اخوان کی تاریخ کے اس شدید ترین بحران نے اخوان کے دشمنوں کو کارروائی کا موقع فراہم کیا۔ حسن الہضیبی کو قیادت سے الگ کرنے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے جمال عبدالناصر کے ایما پر ایک قرارداد تیار کی گئی۔ اخوان کی اندرونی چپقلش سے جو بحران پیدا ہوا تھا گرچہ وقتی طور پر دب گیا تھا، لیکن اس بحران سے سب سے زیادہ فائدہ جمال عبدالناصر اور اس کی انقلابی کونسل کو ہوا۔

مشکلات کا مقابلہ

مرشد عام منتخب ہوتے ہی سب سے پہلا مسئلہ اندرونی بحران پر قابو پانا تھا۔ آپ نے اخوان کی کونسل سے خصوصی اختیارات لے کر سوسائٹی سے ناپسندیدہ عناصر کو نکال باہر کیا۔

دوسرا بڑا مسئلہ شاہ فاروق سے تعلقات کا تھا۔ شاہ فاروق اور اخوان کے تعلقات ابتدا ہی سے ناسازگار چلے آ رہے تھے۔ فاروق ہر وقت اخوان کو ختم کرنے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ فاروق کے نزدیک مصر میں ملوکیت کے لیے سب سے بڑا خطرہ اخوان تھے۔ حسن الہضیبی کے مرشد عام منتخب ہوتے ہی شاہی حلقوں کو امید تھی کہ وہ شاہ سے ملاقات کی درخواست کریں گے۔ چنانچہ شاہ کے قریبی حلقوں نے اس سلسلے میں آپ سے ملاقات کی، لیکن آپ نے ملاقات کی درخواست کرنے سے انکار کر دیا۔ بقول عمر تلمسانی: ''کہاں مرشد عام اور کہاں مغرور کا ہوا فاروق'' بالآخر بادشاہ نے آپ کو ملاقات کی دعوت دی جسے آپ نے قبول کر لیا۔ 13 نومبر 1951ء کو آپ شاہ فاروق سے ملے اور اخوان کے بارے میں ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی۔ شاہ فاروق نے حکومت اور اخوان کے مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کے لیے تین شرائط پیش کیں۔

1۔ سوسائٹی کو انقلابی عناصر سے پاک کیا جائے۔

2۔ برطانیہ کی مخالفت ترک کی جائے۔

3۔ سوسائٹی (اخوان) کو اینٹی کمیونسٹ تنظیم بنا دیا جائے۔

ان دنوں اخوان برطانوی فوج کے خلاف سویز کے علاقے میں جنگ لڑ رہے تھے۔ آپ نے شاہ فاروق کی یہ شرائط تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ انہی دنوں قاہرہ میں حکومت کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے۔ لوٹ مار، تشدد اور آتش زنی کے واقعات پیش آنے لگے۔ ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ حکومت نے آپ کو اور دوسرے اخوان رہنماؤں کو گرفتار کر لیا، لیکن جلد ہی عوامی دباؤ سے پریشان ہو کر رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد آپ نے شاہ فاروق سے ملاقات کی اور مصر کی بگڑتی ہوئی صورت حال میں عوام کا ساتھ دینے کو کہا اور ساتھ ہی اخوان کے بارے میں شاہ کے خیالات میں تبدیلی لانے کی کوشش کی۔ یہ ملاقات بھی ناکام رہی۔

تیسرا بڑا مسئلہ اخوان کی خفیہ سرگرمیوں سے متعلق تھا۔ اخوان کے دشمن اور مخالفین انہی سرگرمیوں کی وجہ سے اخوان کو دہشت گرد اور تشدد پسند تنظیم قرار دیتے تھے۔ حسن الہضیبی کسی قسم کی خفیہ سرگرمیوں پر نہ تو یقین رکھتے تھے اور نہ ہی کسی قسم کا تحفظ دینے کو تیار تھے۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ خدا کی خدمت میں اخفا نہیں ہونا چاہیے۔ اخوان کی خفیہ سرگرمیوں، جن کا حدود اربعہ انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنے تک محدود تھا، ختم کی جائیں۔ آپ نے سوسائٹی کے بیشتر ارکان کی مخالفت لے کر خفیہ شعبے کو ختم کر دیا۔

چوتھا بڑا مسئلہ مصری فوج کی خفیہ تحریک ''تحریک آزادی پسند افسران'' سے تعلقات استوار کرنے کا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1952ء میں جب آزاد افسران نے شاہ فاروق کا تختہ الٹا تو اخوان بھی ایک حصہ دار کی حیثیت سے یہ انقلاب برپا کرنے میں شریک تھے۔ انقلاب کے اصل خالق تو اخوان تھے۔ انقلاب کے دوسرے دن رائے عامہ کو ہموار کرنے کا سہرا بھی اخوان کے سر تھا۔ اس کے علاوہ ناکامی کی صورت میں افسروں کو پناہ دینا، ملک سے بحفاظت نکالنا اور شاہ پرستوں سے مقابلہ کرنا بھی اخوان کے ذمہ تھا۔

انقلاب کے فوراً بعد انقلابی کونسل نے اخوان المسلمین کو وزارت میں اشتراک کی پیشکش کی۔ حسن الہضیبی نے اخوان اور انقلابی کونسل کے مزاج میں فرق محسوس کرتے ہوئے وزارت میں شرکت سے انکار کر دیا۔ انہی دنوں انقلابی کونسل سے نہر سویز کے علاقے پر برطانوی قبضے کے متعلق مذاکرات کا آغاز ہوا۔ مئی 1954ء میں جب مذاکرات سے خلل پیدا ہوا تو حسن الہضیبی نے ایک بیان میں کہا:

''ہم اخوان جغرافیائی حدود کے قائل نہیں۔ ہمارا تعلق اسلام کی فلاح و بہبود سے ہے۔ ہم اسلام کے دفاع کی جنگ دنیا کے ہر خطے میں لڑیں گے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اسلام کے دفاع کی جنگ ہمیں سویز میں لڑنا پڑے، بلکہ اگر تیونس میں بھی لڑنی پڑی تو لڑیں گے۔ یہ اسلام کے مفاد میں نہیں ہے کہ جنگ پہلے سویز میں ہو یا تیونس میں۔ ہمارے اپنے ارادے اور منصوبے ہیں ہمارے آزاد کمانڈر ہیں جو عام طور پر وسیع تر مفادات کے نگران و نگہبان ہیں۔

سیّد قطب تختہ دار پر

مارچ 1946ء میں جب مصر میں ہنگامی حالت کا خاتمہ ہوا تو تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے گئے۔ ان میں اخوان بھی تھے لیکن ایک سال کے بعد ہی اخوان پھر ابتلا اور آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ جولائی 1965ء میں حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں پکڑ دھکڑ کی ایک نئی مہم شروع ہو گئی، جس کے دوران سرکاری اعداد و شمار کے مطابق چھ ہزار اخوان گرفتار کر لیے گئے۔ غیر سرکاری اطلاع کے مطابق یہ تعداد پچاس ہزار تک بیان کی گئی ہے جس میں سات آٹھ سو خواتین بھی شامل تھیں۔ جمال عبدالناصر نے روس میں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ اخوان نے میرے قتل کی سازش کی ہے۔ میں نے پہلے ان کو معاف کر دیا تھا، لیکن اب معاف نہیں کروں گا۔ حسن الہضیبی بھی دوبارہ گرفتار کر لیے گئے اور ان کو تین سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ جس کی تاب نہ لا کر وہ 8 نومبر 1965ء کو شہید ہو گئے۔

سیّد قطب شہید کے حالاتِ زندگی

اس مرتبہ جو لوگ گرفتار کیے گئے تھے، ان میں سب سے ممتاز شخصیت سید قطب (1906ء۔1966ء) کی تھی جو نہ صرف اخوان کے حلقے کے، بلکہ اپنے زمانے میں مصر کے سب سے بڑے اسلامی مفکر اور ادیب تھے۔ آپ 1906ء میں قصبہ موشیہ کی ایک معزز شخصیت کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد صدیوں پہلے جزیرۃ العرب سے ہجرت کر کے مصر میں آباد ہوئے تھے۔ آپ کے والد حاجی ابراہیم قطب متوسط درجے کے زمیندار تھے جن کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ وقت عبادت اور ذکر الٰہی میں گزرتا تھا۔ آپ کی والدہ سیدہ فاطمہ حسین اپنی دین داری اور قرآن سے طبعی رغبت کے سبب قطب خاندان میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ قرآن مجید سے آپ کی والدہ کی والہانہ محبت نے آپ کی شخصیت و سیرت بنانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ آپ پیدائشی ذہین و فطین اور قوت حافظہ کی بے پناہ خوبیاں رکھتے تھے۔ چنانچہ اوائل عمر ہی میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے سے حاصل کی۔ ثانوی تعلیم کے لیے حلوان (قاہرہ کے مضافات میں ایک قریبی بستی) کے ''دار العلوم تجہیزیہ'' میں داخلہ لیا۔ اس زمانے میں آپ کے والدین موشیہ سے حلوان منتقل ہو گئے تھے۔ آپ نے وہیں سے 1929ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1933ء میں قاہرہ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور اسی سال ایجوکیشن میں ڈپلومہ لے کر آپ دار العلوم ہی میں پروفیسر مقرر ہو گئے۔ کچھ عرصہ انسپکٹر مدارس مقرر رہے۔ 1933ء سے 1948ء تک آپ ماہر تعلیم، بلند پایہ انشا پرداز، شاعر، افسانہ نویس، ادیب، محقق اور تنقید نگار کی حیثیت سے مصر کے بلند پایہ علمی و ادبی حلقوں میں اپنا مقام پیدا کر چکے تھے۔ 1948ء میں آپ سرکاری وظیفے پر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے امریکا گئے۔ امریکا میں آپ کا قیام تقریباً ڈھائی سال رہا۔ امریکا سے واپسی پر آپ نے برطانیہ، اٹلی، سوئٹزرلینڈ اور سپین کا مطالعاتی دورہ کیا۔

اخوان المسلمون میں شرکت

آپ امریکا ہی میں تھے کہ اخوان المسلمون کے مرشد عام حسن البناء کی شہادت کا واقعہ پیش آیا جس پر امریکا میں بے پناہ خوشیاں منائی گئیں۔ اس سے متاثر ہو کر آپ اخوان میں شامل ہو گئے۔ 1953ء میں آپ نے محکمۂ تعلیم کی ملازمت چھوڑ دی اور خود کو اخوان کے لیے وقف کر دیا۔ وہاں روزنامہ ''المسلمین'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ پھر شعبۂ نشر و اشاعت کے سیکرٹری مامور ہوئے۔ یہ نازک ذمہ داری آپ کے کندھوں پر اس وقت ڈالی گئی جب اخوان اپنی تاریخ کے سنگین ترین بحران سے گزر رہے تھے۔ جمال عبدالناصر کی انقلابی کونسل اور اخوان میں چپقلش کا آغاز ہو چکا تھا۔ ان حالات میں آپ روزنامہ ''المسلمین'' کے صفحات پر انقلابی کونسل کے عزائم کے بارے میں بے لاگ تبصرے اور تنقید کر کے عوام کو فوجی جنتا کے اصل کردار سے آگاہ کرتے رہے۔

آخر کار وہی ہوا جس کی نشان دہی سید قطب کے مضامین کرتے رہے تھے۔ ناصر نے میونسپلٹی اور جنرل نجیب سے فارغ ہو کر اخوان پر پابندی لگا دی۔ بے شمار لیڈروں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا، جن میں سید قطب بھی شامل تھے۔ آپ کا جرم صرف یہ تھا کہ آپ انقلابی کونسل پر تنقید کرتے تھے اور آپ کی کتب کے مطالعے سے نوجوانوں میں اسلامی روح بیدار ہو رہی تھی اور اس کے اثرات بہت جلد مصری سوسائٹی پر ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ گرفتاری کے وقت آپ شدید بخار میں مبتلا تھے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ آپ کو ہتھکڑیاں پہنا کر گھر سے جیل تک لایا گیا۔ مولانا خلیل احمد حامدی ہفت روزہ ''الشہاب'' کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

''فوجی افسر جب سید قطب کو گرفتار کرنے کے لیے ان کے گھر میں داخل ہوئے تو سید اس وقت انتہائی شدید بخار میں مبتلا تھے۔ انہیں اسی حالت میں پابند سلاسل کر لیا گیا، اور پیدل جیل تک لے جایا گیا۔ راستے میں شدت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کرب کی وجہ سے بے ہوش ہو کر اللہ اکبر وللہ الحمد کے نعرے جاری ہوتے۔ انہیں جب سجن حربی (فوجی جیل) میں داخل کیا گیا تو جیل کے دروازے پر ان کی ملاقات جیل کے کمانڈر اور خفیہ پولیس کے افسروں سے ہوئی۔ جونہی سیّد قطب نے جیل کے اندر قدم رکھا تو جیل کے کارندے ان پر ٹوٹ پڑے اور پورے دو گھنٹے زد و کوب کرتے رہے۔ جیل کے اندر ان پر ایک سدھایا ہوا گرگ نما فوجی کتا بھی چھوڑا گیا جو ان کی ران منہ میں لے کر ادھر ادھر گھسیٹتا رہا۔ اس تمہیدی کارروائی کے بعد انہیں ایک کوٹھڑی میں لے جایا گیا اور ان سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا جو مسلسل سات گھنٹے تک جاری رہا۔ سیّد قطب کی جسمانی طاقت اگر چہ جواب دے چکی تھی، مگر قلبی حرارت اور سکون و صبر کی طاقت نے انہیں چٹان میں تبدیل کر دیا۔ ان کو طرح طرح سے اذیتیں دی گئیں۔ مگر وہ اللہ اکبر وللہ الحمد کے سرور جاودانی میں مستغرق رہے۔ رات کو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ڈال دیئے جاتے اور صبح کے وقت بلا ناغہ انہیں پریڈ کرائی جاتی۔ ان مشقتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ متعدد بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ 3 مئی 1955ء کو انہیں فوجی ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔ اس وقت موصوف امراض سینہ، ضعفِ قلب، جوڑوں کے درد اور اسی نوعیت کی دوسری بیماریوں میں مبتلا تھے۔

جولائی 1955ء میں ایک خصوصی فوجی ٹریبونل کے ذریعے آپ پر بغاوت اور تشدد کے مختلف الزامات کے تحت مقدمہ چلا کر پندرہ برس کی قید کا حکم سنایا گیا۔ جیل میں آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ کتب کے مسودے کسی نہ کسی طریقے سے جیل سے باہر رفقاء کو پہنچ جاتے۔ وہ ان کی اشاعت و طباعت کا بندوبست کرتے تھے۔ قرآن مجید کی مایہ ناز تفسیر ''فی ظلال القرآن'' آپ نے جیل ہی میں مکمل کی تھی۔ آخری کتاب ''المعالم فی الطریق'' بھی آپ نے جیل میں مکمل کی۔

دس سال بعد آپ کو عراق کے صدر عبدالسلام عارف کی ذاتی سفارش پر اگست 1964ء میں رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد آپ کو عراقی وزارت تعلیم کی طرف سے ایک اعلیٰ منصب کی پیش کش کی گئی۔ سیّد قطب نے عمر تلمسانی سے مشورہ کیا۔ بقول عمر تلمسانی:

> ''میں نے انہیں مشورہ دیا کہ پیش کش قبول کر لیں اور عراق چلے جائیں۔ انتقامیوں کے تیور سنگین نظر آ رہے تھے، اور میں سیّد شہید کی زندگی کو خطرے میں دیکھ رہا تھا۔ میرے مشورے کے باوجود سیّد قطب نے فیصلہ کیا کہ اپنی رائے اور عالمانہ فکر کا دفاع کرنے کے لیے مصر ہی میں رہنا چاہیے''۔

مقدمے کی کارروائی

رسوائے زمانہ سیکورٹی پولیس اور سرکاری ''سوشلسٹ یونین'' کے غنڈے مسلسل آپ کے تعاقب میں رہتے۔ ابھی آپ کو رہا ہوئے ایک سال ہی ہوا تھا کہ امریکی اور روسی حکومت کے اشارے پر دوبارہ گرفتار کر لیے گئے۔ گرفتاری کی وجہ ایک مقالہ بتائی گئی، جس میں سرمایہ داری، سوشلزم اور مارکسزم کی ناکامی کا ماتم کیا گیا تھا، اور ان کے مقابلے میں اسلام کو ایک برتر اور قابل عمل قوت قرار دیا گیا تھا، لیکن فرد جرم میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا: تشدد، بم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سازش، جمال عبدالناصر اور دوسری اہم شخصیات کے قتل کی سازش، اور دوسرے بے جا الزامات۔

مصری وکلاء میں سے کسی کی یہ جرأت نہیں تھی کہ اس ''باغی'' کے مقدمے کی پیروی کے لیے آپ کو پیش کرے۔ سوڈان اور مراکش کے وکلاء، فرانس کی بار ایسوسی ایشن کے صدر ولیم تھارپ، ہیگ کے ... ہور ڈیل جے ایم وینڈال نے سیّد قطب اور ان کے ساتھیوں کے مقدمے کی پیروی کے لیے درخواستیں دیں، ... رد کر دی گئیں۔ سوڈان کے دو وکیل کسی نہ کسی طرح مقدمے کی پیروی کے لیے قاہرہ پہنچ گئے۔ انہیں زبردستی قاہرہ سے نکال دیا گیا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نمائندے مسٹر آرچر نے مصر کا دورہ کر کے ان مظالم کے خلاف عالمی ضمیر اور رائے عامہ کو جھنجھوڑا، جو اخوانیوں پر جیلوں میں کیے جا رہے تھے۔ گرفتاری سے لے کر مقدمے کی ساعت تک مصری حکمرانوں نے تہذیب اور شائستگی کی تمام حدود پھلانگ کر جس طرح آپ کو تشدد اور تعذیب کا نشانہ بنایا اور وحشیانہ سلوک آپ کے ساتھ روا رکھا، اس کے آگے جرمن نازیوں کے مظالم کی داستانیں ہیچ نظر آتی ہیں۔

مقدمے کی کارروائی کے دوران سیّد قطب نے یہ جانتے ہوئے کہ فیصلہ ان کے خلاف ہو گا، نہایت سکون اور مدلّل انداز سے خطاب کیا۔ آپ کے جیل کے ایک ساتھی احمد رائف مصری کے الفاظ میں:

> ''سیّد قطب نے انتہائی کمزوری اور اعصابی ضعف کے باوجود کرنل وجودی کے سامنے دل کھول کر اظہار خیال کیا اور جو ان کے دل میں تھا، اسے زبان پر لے آئے۔ اس وقت مصری پریس کے مختلف نمائندے بھی موجود تھے۔ اس دور کے مصری پریس کے بارے میں اگر ہم یہ لفظ بھی استعمال کریں تو کہا جائے، کہ وہ کرائے کا ٹٹو پریس تھا۔ سیّد قطب نے کرنل وجودی اور ضمیر فروش پریس کے سامنے اس وحشیانہ تعذیب وتشدد کی داستانیں سنائیں جن کا نشانہ اخوان المسلمین کے ملزموں کو بنایا گیا تھا۔ کمرۂ عدالت میں سیّد قطب کے بیانات کا ردعمل مضحکہ خیز قہقہوں اور تشفی آمیز نظروں کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس ردعمل میں ... بھی شامل تھا اور خفیہ ایجنسیوں کے جلاد اور چمچہ گیر اور کرائے کے نعرے باز حاضرین بھی۔ سیّد نے باوجود اس بات کے کہ وہ ان لوگوں کے عزائم اور اپنے انجام کو بخوبی جان چکے تھے، اپنی بات بے کم وکاست کہہ ڈالی، اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کی ذات پر جیل میں جو کچھ گزری، اس کا انہوں نے اشارہ تک نہ کیا، بلکہ دوسرے اخوانیوں پر جو مظالم توڑے گئے ان کی شکایت کی''۔

نام نہاد فوجی ٹربیونل نے مختصر ترین کارروائی کر کے 19 اگست 1966ء کو دوسرے دو اخوانی رہنماؤں یوسف حواش اور اسماعیل عبدالفتاح کے ہمراہ موت کی سزا سنائی۔ سزا کا حکم سن کر سیّد قطب زیر لب مسکرائے اور فرمایا:

> ''مجھے معلوم تھا کہ اس مرتبہ جمال عبدالناصر کی حکومت میرے سر کی طالب ہے۔ مجھے اس کا افسوس ہے اور نہ اپنی موت کا رنج، بلکہ میں اس پر خوش ہوں کہ اپنے مقصد کے لیے جان دے رہا ہوں۔ اس امر کا فیصلہ مستقبل کا مؤرخ کرے گا اور اخوان راہ راست پر تھے یا حکومت''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھانسی کی سزا حمزہ لبیونی نے حمیدہ قطب کو، جو خود بھی جیل میں تھیں، بلایا اور پھانسی کے احکامات دے کر کہا: ''سید قطب اگر اس بات کا اقرار کریں کہ اخوان کا تعلق مصر سے باہر کہیں اور ہے۔ پھر انہیں خرابی صحت کے بہانے رہا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس سلسلے میں حمیدہ قطب کی سید قطب سے ملاقات کرائی گئی۔ حمیدہ نے اپنے اور حمزہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سید قطب کو سنائی۔ حمیدہ کے الفاظ میں:۔

بھائی نے پوچھا، کیا تم اس پر خوش ہوگی۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ وہ بولے نفع و نقصان لوگوں کے قبضہ قدرت میں نہیں ہے، بلکہ عمریں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ لوگ میری عمر گھٹانے یا بڑھانے کا فیصلہ نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہی تمام چیزوں پر قادر و محیط ہے''۔

پھانسی کے وقت کے تاثرات بیان کرتے ہوئے بی بی سی کا نمائندہ مقیم قاہرہ، کہتا ہے کہ ''سید قطب تختۂ دار کی طرف اس طرح بڑھے جیسے کوئی دولہا اپنی دلہن کو لینے چلا ہو'' اس سزا کے خلاف عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی۔ جمال عبدالناصر کے نام دنیا کے کونے کونے سے اسلام، انسانیت اور انصاف کے نام پر معافی کی اپیلیں کی گئیں۔ ہزاروں کی تعداد میں تار روانہ کیے گئے، لیکن بزدل ناصر کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ اچانک 29 اگست 1966ء کو دوپہر کے وقت قاہرہ ریڈیو نے اپنی نشریات روک کر اعلان کیا: ''فرعون مصر کے حکم سے اخوان المسلمین کے تین رہنماؤں کو آج فجر کے وقت پھانسی دے دی گئی''۔

سیّد قطبؒ کی آپ بیتی

سید قطب شہید نے اپنے ہاتھ سے تقریباً پچاس صفحات میں ایک تحریر قلم بند کی تھی، جو انہوں نے عدالت کے سامنے پیش کرنے کے لیے تیار کی تھی۔ اس تحریر میں ''اخوان المسلمین'' سے اپنا تعلق اور پیش آمدہ واقعات کے علاوہ سید صاحب نے اپنے ذہنی ارتقا کا سفر بیان کیا تھا، نیز ان الزامات کی تردید کی تھی جو اس پر وقتاً فوقتاً لگائے جاتے رہے تھے۔ یہ تحریر پہلی بار لندن سے شائع ہونے والے عربی ہفت روزہ ''المسلمین'' نے فروری۔ مارچ 1985ء میں اپنی پانچ اشاعتوں میں شائع کی تھی۔ یہاں اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جو جناب محمد اقبال مسعود ندوی نے بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔ یاد رہے کہ جمال عبدالناصر کی حکومت نے کچھ ہی عرصہ بعد 1966ء میں سید قطب کو پھانسی دے دی تھی (س۔ق۔م)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1948ء میں مجھے وزارتِ تعلیم کی طرف سے اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکا بھیجا گیا تھا۔ میں اس وقت اخوان کے بارے میں بہت معمولی واقفیت رکھتا تھا، مگر جب 1949ء میں اخوان کے بانی حسن البناء کو شہید کیا گیا تو میں یہ بات محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ تمام امریکی و برطانوی اخبارات نے اس خبر کو بہت اہمیت دی اور بظاہر افسوس مگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باطن خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ انہیں اطمینان اس بات کا تھا کہ اخوان کی جماعت پر پابندی لگا دی گئی ہے، کیونکہ اس جماعت کی وجہ سے شرق اوسط کے حساس علاقے میں مغربی مفادات پر چوٹ آ رہی تھی، فرنگی تہذیبی قدریں روبہ زوال ہونے لگی تھیں۔

1950ء میں کتنی ہی کتابیں وہاں اس انداز کی شائع ہوئیں۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک امریکی مصنف جیمز ہیوارٹ ڈان کی کتاب ہے جس کا عنوان ہے: ''جدید مصر میں سیاسی اور دینی لہریں''۔ مجھے اس وقت اندازہ ہوا کہ صیہونی سازش پسندوں اور مغربی استعمار کی نظر میں یہ جماعت ان کے مفادات کے لیے کتنی نقصان دہ ہے۔

اسی زمانے کی بات ہے، جب میری کتاب ''اسلام میں اجتماعی عدل'' شائع ہوئی۔ 1949ء کے آس پاس اس میں، میں نے چند سطریں بطور انتساب لکھیں، وہ اس طرح تھیں:

> ''ان نوجوانوں کے نام جو میرے حسن تخیل میں زندہ و تابندہ ہیں اور جو اس دین کو وہ مقام دلا کر رہیں گے، جس پر یہ ابتدائی زمانے میں فائز تھا۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے، خواہ کوئی انہیں ملامت کرے یا ان کا مذاق اڑائے''۔

میری اس عبارت میں کسی فرد یا جماعت کی طرف اشارہ نہ تھا، مگر اخوان کے حلقے میں یہ سمجھ گیا کہ اس کے مخاطب اخوانی ہیں۔ یہ کتاب ان کے دل کی آواز بھی تھی، اور وہ مصنف کے مکمل طور پر ہم خیال تھے۔ ان کی کوشش رہتی کہ وہ مجھ سے رابطہ قائم کریں۔ میں 1950ء کے آخر میں واپس مصر آ گیا۔ اب اخوانی نوجوان آ کر مجھ سے ملنے لگے۔ کتاب کے حوالے سے تبادلۂ خیال ہوتا۔ جماعت خود اس وقت معتوب تھی۔ اس لیے اس کا کوئی مرکز تھا، نہ سلسلہ وار اجتماعات کا امکان تھا۔

1951ء سے خود میری مصروفیت یہ تھی کہ میں شاہی نظام اور جاگیردارانہ مزاج کے خلاف قومی محاذ کھول چکا تھا۔ اس سلسلے میں میری دو کتابیں شائع ہوئیں۔ میں نے بے شمار مقالات اور مضامین لکھے اور اس پرچے میں بھیجے جو ایسا مواد شائع کرنے میں دلچسپی رکھتا ہو۔ بیشتر مقالات ''جدید قومی پارٹی'' اور ''اشتراکی پارٹی'' کے ترجمان جرائد میں چھپے۔ ماہنامہ ''دعوۃ'' اس وقت صالح عشماوی نکالا کرتے تھے۔ یہ اخوان کا ترجمان تھا۔ اس نے بھی میرے مضامین چھاپے۔ کئی مضمون الرسالہ میں بھی چھپے۔ اس وقت یہ سوال پیش نظر نہ تھا کہ میں کس پارٹی کا ہوں یا چھاپنے والا پرچہ کس جماعت کا ہے۔ پھر 23 جولائی 1952ء کو وہ انقلاب آ گیا جس نے شاہی نظام کو بساط لپیٹ دی۔

اب میری تحریریں انقلاب لانے والوں کے ساتھ تھیں، مگر پھر یہ ہوا کہ جیسے جیسے حکومت پر گرفت مضبوط ہونے لگی، انقلاب کی روح غائب ہوتی چلی گئی۔ میں اس تبدیلی کا ساتھ نہ دے سکتا تھا۔ پھر بھی یہ کوشش کرتا رہا کہ آزادیٔ رائے سے فائدہ اٹھاؤں اور وہ اسباب سامنے لاؤں جن سے انقلاب نے جنم لیا تھا اور وہ خطرات پیش کروں جو انقلاب کے صحیح راستے سے ہٹنے کی بناء پر پیدا ہو سکتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلامی انداز پر کام کرنے کے لیے اس وقت سب سے موزوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت صرف اخوان ہے اور یہی واحد تنظیم ہے جو عالم عرب کے وسیع خطے کے اندر اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں قائدانہ رول ادا کر سکتی ہے۔ امریکا کے زمانہ قیام کا میرا مطالعہ بھی تھا کہ ہمارے یہاں جو صیہونی اور مغربی استعماری سازشیں چل رہی ہیں، ان کی تکمیل کی راہ میں اگر کوئی جماعت رکاوٹ بن سکتی ہے تو وہ ''اخوان'' ہے۔ بالآخر 1953ء میں اخوان کی رکنیت میں نے حاصل کر لی۔

میری رکنیت جماعت کے حلقوں میں خوشگوار اثر ہوا۔ منگل کے روز کا مشہور درس قرآن میرے ذمے تھا اور جماعت کے پرچے کی ادارت بھی مجھے سونپی گئی۔ میں نے کچھ پمفلٹ تیار کیے تھے جو ہر ماہ چھپتے تھے۔ اس کے سوا جماعت کے تنظیمی امور اور پالیسی سازی میں میرا کوئی عمل دخل نہ تھا۔

پھر 1954ء کا حادثہ پیش آ گیا، جس میں اخوان کے رہنما گرفتار کر لیے گئے۔ میں بھی اسیروں کی صف میں تھا۔ رہائی مارچ میں ہوئی، مگر 26 اکتوبر کو مجھے پھر گرفتار کر لیا گیا۔ اب الزام یہ تھا کہ جماعت نے ایک خفیہ دہشت پسند تنظیم قائم کر رکھی ہے اور میں اس کا رکن ہوں اور اس کے پروپیگنڈے کا ذمہ دار ہوں۔ حالانکہ یہ سراسر بہتان تھا۔ جماعت کا کوئی شعبہ نہ تھا اور نہ میرا ایسے کسی شعبے سے کوئی تعلق تھا۔

وہ حادثہ جو آئندہ کے تمام واقعات کا پیش خیمہ بنا، تاریخ میں ''منشیۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس حادثے میں یہ ہوا تھا کہ ایک اجتماع میں جمال عبدالناصر پر ایک شخص نے گولی چلائی جو لگ نہ سکی۔ حملہ آور محمود عبداللطیف گرفتار ہوا۔ یہ کہا گیا کہ وہ جماعت اخوان کا رکن تھا اور ان کی سازش پر بھیجا گیا تھا، تاکہ اس طرح اخوان حکومت پر قبضہ کر لیں۔ اس حادثے کا ذکر میں کچھ تفصیل سے کروں گا۔

امریکا کی سازش

یہ 1951ء کی بات ہے۔ ایک صاحب تھے، ڈاکٹر احمد حسین۔ اس وقت وفد پارٹی کی حکومت تھی۔ یہ اس میں سماجی بہبود کے وزیر تھے۔ یہ وزیر صاحب 1951ء میں امریکا کے ایک سرکاری دورے پر گئے، مگر واپس آئے تو اس طرح کہ وزارت سے استعفیٰ دے چکے تھے۔ وزیراعظم نحاس پاشا نے ممکنہ ترغیبات سے استفا واپس لینے پر آمادہ کیا، مگر وہ اپنے فیصلے پر قائم رہے۔ پھر انہوں نے ایک تنظیم کا بنانے اعلان کیا، جس کا نام تھا ''جمعیت فلاح''۔ اس کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ کسانوں اور مزدوروں کی اجتماعی فلاح و بہبود کا کام کیا جائے اور انہیں معاشرتی انصاف دلوایا جائے۔ اس تمام کام کی تکمیل کے لیے ایک بھاری بھرکم منصوبے کا اعلان کیا گیا۔

امریکی خبارات نے اس تنظیم کو جس طرح کھل کر سراہا، اس نے اس کا تعلق اس علاقے میں امریکی سیاست سے واضح کر دیا۔ ڈاکٹر احمد حسین اور اس کی بیوی کے اردگرد جو کسی یونیورسٹی کی گریجویٹ تھی، مدح خوانی کا ایسا ہالہ کھینچ دیا گیا کہ تنظیم بنتے ہی اس کے بہت سے ممبر ہو گئے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو ڈاکٹر احمد حسین سے عمر اور تجربے میں کہیں آگے تھے۔

''جمعیت فلاح'' کے ارکان میں وزیر خارجہ ڈاکٹر محمد صلاح، ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری، مشہور قانون دان اور وزیر تعلیم، اخوان کے ایک زمانے میں رکن اور بعد میں شیخ الازہر شیخ باقوری اور نہ جانے کون کون شامل تھے۔ ظاہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ اس قدر تیزی سے مقبولیت پانا بے معنی ہرگز نہ تھا۔ بہرحال انقلاب پرستوں اور اخوان کے درمیان اختلاف کا آغاز اس تنظیم کی تشکیل کے بعد ہی سے ہوا۔

''جمعیت فلاح'' کے سیکرٹری استاد فواد جلال تھے، جو جنرل نجیب کی سربراہی میں تشکیل شدہ اوّلین کابینہ میں وزیر رہ چکے تھے۔ حکومت کے حلقوں میں ان کی پہنچ تھی۔ وہ انقلاب پرستوں اور اخوان کے درمیان اختلافات کے بیج بوتے رہے اور کوئی اختلاف سامنے آتا تو اسے اس طرح بڑھاتے کہ رائی کا پہاڑ بنا دیتے۔ جمال عبدالناصر ان پر اعتماد کرتے تھے جس سے وہ فائدہ اٹھاتے۔ یہ باتیں وہ میرے سامنے بھی کیا کرتے، کیونکہ وہ یہی سمجھتے کہ میں انقلابیوں میں سے ایک ہوں اور ان کا ہم خیال۔ کچھ اس وقت تک میرے ساتھ میں انقلابیوں کا معاملہ تھا بھی ایسا۔ وہ مجھ پر اعتماد کرتے تھے۔ کئی تقریبات میں ان کی نمائندگی میں کرتا اور کئی اہم منصوبوں کے بارے میں زیرغور تھا۔ پھر اس وقت تک فضا ایسی تھی کہ آزادی سے تبادلۂ خیال کر سکتے تھے۔ بہت سے موضوعات ایسے تھے، جن میں جمعیت کے ممبر بھی شریک ہو جاتے، جیسے مزدوروں کے مسائل، کمیونزم کا نقطۂ نظر، بلکہ اور آگے بڑھ کر انتقال اقتدار اور دستور سازی سے متعلق نکات۔ ایسے اہم مسائل پر بھی یہ لوگ مباحثے میں شریک ہو جاتے تھے۔

الغرض میں استاد فواد کے منصوبے اور جمعیت فلاح کی سرگرمیوں کو اس نظر سے دیکھتا تھا کہ یہ ایک امریکی ذہنیت کا حامل ادارہ ہے جس کا امریکیوں سے رابطہ بھی ہے اور اس کا مقصد اخوان اور انقلابیوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنا ہے۔

میں صرف خاموش تماشائی نہ تھا، بلکہ میں نے عملی طور سے اس منصوبے کو ناکام بنانے میں حصہ بھی لیا اور پوری کوشش کی کہ انقلابیوں اور اخوان میں تصادم کی نوبت نہ آنے پائے، مگر مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں کامیاب نہ ہوا اور دوسرا نقطۂ نظر حاوی ہو گیا۔

جس وقت منشیہ کا حادثہ پیش آیا، اس وقت سے اب تک میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ ایک پہلے سے تیار کردہ سازش تھی۔ حادثہ جس طرح پیش آیا اور جو حالات اس وقت پائے جاتے تھے، وہ سب ایک عجیب سی ذہنی کشمکش میں ڈالتے تھے اور لگتا تھا کہ پورا واقعہ کچھ غیر فطری انداز میں پیش آیا ہے۔ میرا اس وقت غالب احساس یہی تھا کہ اخوان اور انقلاب پرستوں کے درمیان تصادم کی جو سازش چل رہی ہے، یہ حادثہ اس کی ایک کڑی ہے، اور جو نتائج نکلے وہ سراسر غیر ملکی عناصر کے حق میں جاتے تھے۔ میرا مشاہدہ اور تجربہ مجھے اس نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ یہ حادثہ امریکی سازش کا نتیجہ تھا۔

1954ء میں فوجی جیل کے ذمہ دار صلاح وسوقی نے مجھ سے اس واقعے کی بابت پوچھ گچھ کی تھی۔ میں نے صراحت سے اس کے سامنے اپنی رائے رکھی، جس کو سن کر وہ اچھل سا گیا اور کہنے لگا: ''تم جیسا سمجھدار اور تعلیم یافتہ شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک ڈراما تھا؟'' میں نے جواب دیا ''بالکل نہیں۔ میں نے یہ کب کہا کہ وہ ڈراما تھا۔ میں تو کہہ رہا ہوں کہ وہ پہلے سے طے شدہ سازش تھی، جس کے پیچھے ایک خاص مقصد تھا، جس کی خاطر غیر ملکی ہاتھوں نے اسے اس حد تک پہنچایا'' میرا جواب سن کر وہ کچھ ڈھیلا پڑا، مگر کہا کہ چلو، یہ بھی مان لیں، تب بھی اس حقیقت سے تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انکار نہ کر سکو گے کہ جس شخص نے یہ کام کیا، وہ اخوان میں سے تھا؟

میرا شعور اس پر مطمئن تھا کہ یہ ایک سازش ہے، مگر میں ثبوت کی تلاش میں تھا، تا کہ حقیقتِ واقعہ تک پہنچ سکوں۔ جب میں 1954ء میں لیمان طرۃ جیل میں بند تھا، دیگر گرفتار اخوانی رہنماؤں سے اس کی تفصیل پوچھی، مگر ان میں سے کوئی بھی یہ نہ نکلا جو اس واقعے سے واقف ہوتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ جانتے تھے کہ محمود عبداللطیف نے گولی چلائی خود محمود عبداللطیف کے واقف بھی ایک ہی بات کہتے تھے، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیسے پیش آ گیا۔ بعض کہتے، اس راز کا انکشاف وقت گزرنے کے بعد ہی ہوگا۔

اس کی شہادت نہ بھی مل سکے، مگر نتیجہ پھر بھی یہی رہے گا۔ میرا احساس یہی کہتا ہے۔ مسئلے کو ایک اور زاویے سے دیکھئے۔ صیہونیت اور مغربی استعمار کی سوچی سمجھی سیاست یہ رہی ہے کہ اگر اس علاقے میں اپنے مفادات کا تحفظ کرنا ہے تو اخوان المسلمین کو راہ سے ہٹانا ضروری ہے۔ یہ سیاست کامیاب ہو گئی۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ ان سازشوں کو پہچاننے کا موقع ملا، اور اب بھی وقت کا تقاضا یہی ہے کہ اسلامی تحریک میں پھر سے روح پھونکی جائے، کیونکہ صرف اسی طرح اغیار کی سازشیں ناکام ہو سکتی ہیں۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر حال میں ادا کرنا چاہیے، خواہ حکومت اپنی بعض مصلحتوں کے سبب اسے پسند نہ کرے۔ حکومت اگر صحیح طرح سے سوچ سکتی ہے تو غلطی بھی کر سکتی ہے اور اس چبھن کا کیا یہ جائے کہ اس حادثے کے نتیجے میں ہزاروں افراد ظلم کا نشانہ بنے۔ ہزاروں گھر اور خاندان اجاڑ دیے گئے۔ اگر بات صرف اس قدر ہوتی کہ ایک شخص نے گولی چلا دی تو پھر یہ سب کیوں ہوا؟ اور کیوں غیر ملکی صحافت اور تشہیر بازوں کی بات قبول کر لی گئی کہ اس حادثے کے ذمہ دار اخوان ہیں جن کی سرکوبی نہ کی گئی تو ملک خطرے میں پڑ جائے گا اور انقلاب باقی نہ رہے گا؟ کیا واقعتاً ایسا ہی تھا؟ کتنی ہی کتابیں لکھی گئیں۔ بے شمار پمفلٹ اور رسالے چھپے۔ یہ بات مغرب میں اس طرح اچھالی گئی کہ جھوٹ سچ بننے لگا۔ سنجیدہ تجزیوں تک میں یہی نقطۂ نظر دہرایا گیا۔ جانسن رپورٹ تیار ہوئی تھی، دریائے اردن کے بارے میں۔ اس میں بھی یہی بات ابھار کر پیش کی گئی۔

جب ہم نے دیکھا کہ پورا مصری معاشرہ اخلاقی گراوٹ، الحاد اور بے دینی کی لپیٹ میں آ گیا ہے، انتشار بڑھتا جا رہا ہے، اور ان ساری شر پسند طاقتوں کو چیلنج کرنے والی طاقت ''اخوان المسلمین'' کی تھی جسے سٹیج سے ہٹا دیا گیا ہے تو میرے احساس اور جذبے کی شدت بڑھ گئی۔

جب میں جیل میں تھا تو وہاں کے بے روزن دیوار عمارتوں میں یہ سب کچھ سنتا، نوشتہ دیوار پڑھتا۔ جیل سے باہر آیا تو خود مشاہدہ کیا۔ آنکھوں دیکھا حال کانوں سنی ہوئی باتوں سے بھی زیادہ تلخ تھا۔ پورا معاشرہ ایک بڑی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا تھا۔

بات بہت گہرائی میں جا کر سمجھنے کی ہے۔ صیہونی اور مغربی سازشی عناصر نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دی ہیں کہ انسانی معاشرے کی شکل ہی مسخ کر دی جائے۔ اس علاقے میں ایسے بے روح جسم رہ جائیں جو بے وقعت انبوہ سے زیادہ نہ ہوں۔ پھر کسی بیرونی حملے کو روکنا کیا، خود آگے بڑھ کر اسے خوش آمدید کہیں گے۔ یہاں پہنچ کر وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلحہ بھی بے کار ہوگا جو خواہ کتنا ہی جدید ترین ہو، مگر اصل چیز انسان ہے نہ کہ ہتھیار۔ معاشرہ جب مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے تو پھر لاکھوں افراد پانی کی لہروں پر بہتے خس و خاشاک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ لہریں اپنی مرضی سے انہیں جدھر چاہیں، بہالے جائیں۔

حقیقت پسندی سے اگر دیکھا جائے کہ اخلاقی زوال کیوں آیا، تو وہ اخوان المسلمون کو اس محاذ سے ہٹانے کے بعد ہی آیا۔ اس کا تربیتی پروگرام نہ رہا۔ دعوتی سرگرمیاں موقوف کی گئیں تو دماغ میں ہر طرح کے فساد نے ٹھکانا بنالیا۔ اس طرح یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ اخوان کو منظر سے ہٹانا مغربی سازشوں کی کامیابی کا ثبوت تھا۔

1955ء سے 1962ء تک، تمام وقت میں نے اس پر غور و فکر کیا کہ الاخوان کا خلا کس طرح بھرا جائے گا، تاکہ اس میدان میں تسلسل برقرار رہے۔ پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھا کر کام آگے بڑھانے کا طریق کار کیا ہو اور اس کا آغاز کس انداز سے ہو۔ یہیں سے ایک نئی منزل کے سفر کا آغاز ہوا۔ اس دوران میں بھی خاص واقعات پیش آتے رہے تھے، جن کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کروں گا۔

جیل یا قتل گاہ

حادثہ منشیہ کے نتیجے میں اخوان کے ساتھ ہر طرح کا ظلم روا رکھا گیا۔ جیلیں بھر گئیں۔ سزا و عذاب کا ایک سلسلہ چلا، جو دراز تر ہوتا گیا۔ گھر اجڑے، بچے اور عورتیں بے سہارا ہو گئے۔ انہیں حکومت سے مدد ملی نہ وہ اپنے وسائل کام میں لا سکے۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا، اور آج بھی یہ کوششیں جاری ہیں جو اگر کامیاب ہو جائیں تو ایسا قتل عام ہو کہ بقیہ اخوان بھی صاف کر دیئے جائیں۔ تانے بانے اس انداز سے بُنے جا رہے ہیں کہ سب کچھ ہو جائے گا، اصل حقیقت کا علم کسی کو نہ ہو سکے۔

یہ اپریل، مئی 1955ء کی بات ہے۔ گرفتار اخوان کو مصر کی تین جیلوں میں بھرا گیا تھا:

1۔ لیمان طرۃ جیل۔ اس میں تقریباً چار سو اخوان قید میں رکھے گئے۔

2۔ مصر کی جیل۔ یہاں بھی قیدیوں کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔

3۔ فوجی جیل۔ اس میں دو ہزار قیدی تھے۔ ان کا معاملہ نہ تو عدالت کے سامنے لایا گیا تھا، نہ ان کے بارے میں سزا تجویز کی گئی تھی۔

لیمان طرۃ جیل میں جو قیدی تھے، ان میں بعض سابق فوجی افسر بھی تھے، جیسے فواد جاسر، حسین حمودہ، عبدالکریم عطیہ، جمال ربیع۔ ان میں سے میں فقط معروف خضری کو جانتا ہوں۔

جمال ربیع نے ایک منصوبہ تیار کر کے اخوان کے سامنے رکھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ تینوں جیلوں کے قیدیوں میں ایسی مفاہمت ہو جائے کہ ایک ہی طے شدہ وقت پر سب جیل کے ذمہ داروں پر حملہ کر کے انہیں قابو کر دیں۔ وہاں پر موجود اسلحے پر قبضہ کر کے جیل سے باہر آ جائیں اور انقلاب لانے کی کوشش کریں۔ اخوان کے حامی فوجی ان کا ساتھ دیں گے۔ اس منصوبے کی فوجی تفصیلات تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ بہرحال بنیادی نکتہ یہ تھا کہ دریائے نیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پار قصرِ صدارت پر حملہ کر دیا جائے گا تو انقلاب کامیاب ہو جائے گا۔ اس طرح کی تفصیلات میں نے اس وقت سنی تو تھیں، مگر لغو خیال کر کے میں نے انہیں ذہن سے جھٹک دیا تھا۔

جمال ربیع نے یہ منصوبہ خود اس کے بقول فواد جاسر اور حسین حمودہ کے سامنے رکھا تھا، مگر انہوں نے بھی کوئی دلچسپی نہ لی۔ پھر صالح ابو رفیق سے بات کی تو انہوں نے اسے ڈانٹ دیا اور سختی سے ایسے اقدام سے روکا۔ صالح ابو رفیق نے یہ بات مجھے بتائی۔ پھر جمال ربیع نے خود مجھ سے بات کی اور کہنے لگا: ''جماعت اخوان تو ایسے بیدار لوگوں سے خالی ہے جو اس منصوبے کی تکمیل میں میرا ساتھ دینے کی ہمت کریں''۔ میں عسکری باریکیوں سے واقف نہیں، مگر میں نے یہی سمجھا تھا کہ یہ خودکشی کا منصوبہ ہے، جس پر غور کرنا بھی پاگل پن ہے۔۔۔۔۔ مگر وہ تھا کہ مجھ سے بار بار اس منصوبے پر کام آگے بڑھانے کے لیے کہتا اور یہی دعویٰ کرتا کہ یہ منصوبہ ہر اعتبار سے قابلِ عمل اور مکمل ہے۔ میں ان دنوں لیمان طرۃ میں قید تھا۔ اس وقت تک مجھے عدالت میں پیش کیا گیا تھا نہ میرے خلاف چارج شیٹ لائی گئی تھی۔ اس دوران میری بیماری نے شدت اختیار کر لی اور میرے پھیپھڑوں پر ورم آ گیا، جن سے خون رسنے لگا۔ اس لیے مجھے 5 جنوری 1955ء کو جیل کے ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ علاج سے میری حالت کچھ بہتر ہوئی تو پھر جیل لوٹا دیا گیا اور عدالت کے سامنے پیش کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔۔۔ جمال ربیع اس وقت مجھ سے ملا اور پھر کہنے لگا: ''اگر آپ معروف خضری سے مل کر اس منصوبے پر بات کیجئے گا''۔ میں نے اس کی بات سنجیدگی سے کبھی نہ سنی تھی۔ بہرحال یہ وعدہ کر لیا کہ معروف سے بات کروں گا۔

جب معروف خضری سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے اس کے سامنے یہ منصوبہ رکھا اور اس سے پہلے کہ وہ یہ معلوم کرتا کہ یہ منصوبہ کس کے ذہن کی پیداوار ہے، وہ ایک دم طیش میں آ گیا اور جھلا کر بولا: ''یہ اخوان کے قتلِ عام کی سازش ہے۔ یہ کامیاب ہو گئی تو جو جیل میں ہیں، وہ بھی صاف کر دیے جائیں گے اور جو جیل سے باہر ہیں، وہ بھی''۔ پھر اس نے پوچھا کہ یہ منصوبہ پیش کس نے کیا ہے؟ میں نے جمال ربیع کا نام لیا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ دونوں دوست ہیں اور جب گرفتار ہوئے تو وہ دونوں ایک ہی جگہ سے پکڑے گئے تھے۔ اس نے کہا: ''نہ نہ۔۔۔۔۔ یہ خودکشی کی کوشش ہے۔ اس کے بارے میں سوچنا بھی غلط ہے''۔

پھر میرا مقدمہ چلا اور مجھے لیمان طرۃ جیل میں واپس بھیج دیا گیا۔ وہاں میں نے جمال ربیع کو معروف خضری کی رائے سے آگاہ کیا، لیکن وہ پھر بھی جیل میں قیدی اخوان کو آمادہ کرتا رہا کہ وہ اس منصوبے پر عمل کریں، مگر اسے کسی کی حمایت حاصل نہ ہو سکی۔

اسی زمانے میں لیمان طرۃ جیل میں جو فوجی پلٹن متعین تھی، اس کا کمانڈر کیپٹن عبدالباسط بنا تھا۔ میں نے یہ بات نوٹ کی کہ وہ جیل کے ہسپتال میں آتا تو وہاں اس طرح کی باتیں کرتا کہ کوئی ایسا راستہ نکالا جائے کہ اخوان جیل کے اسلحے پر قبضہ کر لیں، جیل سے باہر آ جائیں اور انقلاب لائیں۔ جیل کی بامشقت زندگی ختم کرنے کا یہ واحد طریقہ ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ کیپٹن عبدالباسط بنا اپنے سگے بڑے بھائی حسن البناء کی زندگی میں بھی الاخوان المسلمین سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ مگر ایک روز میں نے اس سے پوچھ ہی لیا: ''یہ سب ہوگا کیسے؟'' اس نے جواب دیا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''میں ایک پلٹن کا کمانڈر رہوں۔ اپنی خدمات اور اپنی پلٹن کا سارا اسلحہ اخوان کے سپرد کر دوں۔ بہر حال کچھ ہونا چاہیے کیونکہ اخوان پر بے پناہ مظالم ٹوٹ رہے ہیں''۔ میرے ذہن میں کیپٹن کی بات سن کر ہلال ربیع کا منصوبہ گونجنے لگا۔ معروف خضری کی آواز کانوں سے ٹکرائی: ''یہ اخوان کے قتل کی سازش ہے۔ پھر وہ دونوں تین بچیں گے نہ جیل سے باہر''۔ میں نے اس سے کہا: ''ہم آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں، لیکن ہمارا خیال ہے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور ہماری ذمہ داری جیل میں داخل ہونے کے بعد ختم ہوگئی۔ اب ہمیں کچھ اور نہیں کرنا۔ کسی کا دل چاہتا ہے تو وہ شوق سے کرتا پھرے''۔

اس کے کچھ عرصہ بعد اس کی پلٹن کہیں اور منتقل کر دی گئی۔ ادھر ایک تبدیلی یہ آئی کہ یہاں موجود اخوان کے سرکردہ رہنما دوسری جگہوں پر منتقل کر دیئے گئے۔ قتل کا منصوبہ اس وقت تو کامیاب نہ ہو سکا، مگر 1957ء میں لیمان طرۃ جیل کے اندر ایک قتل عام ہو ہی گیا۔۔۔ اس وقت ایک ایسا افسر ہوا کرتا تھا۔ کیپٹن یا لیفٹیننٹ رینک کا۔ اس کا نام تھا عبداللہ ماہر۔ اسی جیل میں پانچ یہودی نوجوان تھے جو کسی جاسوسی سکینڈل میں سزا بھگت رہے تھے۔

عبداللہ ماہر کا ان سب سے عجیب نوعیت کا تعلق تھا۔ وہ ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا۔ ان کا کھانا گھر سے آتا، جو انہیں پہنچا دیا جاتا، حالانکہ اس جیل میں کسی قیدی کو یہ سہولت نہ مل سکتی تھی۔ ان کی کئی ضرورتیں اس طرح پوری ہو جاتی تھیں۔ ایک یہودی کی بہن بھی آتی جاتی تھی۔ اس سے بھی عبداللہ ماہر بہت قریب تھا اور اس کا تعلق ایسا ہو گیا تھا کہ جیل کے تمام قیدی واقف ہو گئے تھے۔ رفتہ رفتہ اس فوجی افسر نے یہ وطیرہ بنا لیا کہ موقع بے موقع اخوان کو چھیڑتا، اشتعال دلانے کی کوشش کرتا اور ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتا کہ بات آگے بڑھ کر مار پیٹ تک پہنچ جائے۔ جیل کے ذمہ دار اسے تو نظر انداز کر دیتے اور اخوان کو سزا دیتے۔

ایک بار کچھ اخوان نوجوانوں نے اس کی اور اس کے ساتھی افسر کی حرکتوں سے تنگ آکر ترکی بہ ترکی جواب دیا اور کہا کہ اب وہ مزید برداشت نہیں کریں گے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ اس وقت وہاں اخوان کے رہنما تھے ہی نہیں، صرف نوجوان تھے، جنہیں قابو میں کرنے والا وہاں کوئی نہ رہ گیا تھا۔ چنانچہ ان افسروں سے ان کی ہاتھا پائی ہوگئی۔ دوسرے قیدیوں نے بیچ بچاؤ کرایا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اخوان کی سزاؤں میں اضافہ ہو گیا مگر عبداللہ ماہر اور اس کا نائب افسر برابر فضا کو مسموم کرنے کی کوشش کرتے رہے اور کسی نہ کسی حیلے بہانے چھیڑ چھاڑ شروع کر دیتے۔ زیادہ تر اخوان قید با مشقت کاٹ رہے تھے۔ انہیں ایک پہاڑ پر لے جا کر ان سے پتھر تڑوائے جاتے۔ ایک دن ان کے کانوں میں یہ بھنک پڑی کہ جب پہاڑ پر جائیں گے تو انہیں گولیوں سے اڑا کر مشہور کر دیا جائے گا کہ وہ بھاگنے کی کوشش میں مارے گئے یا یہ کہ وہ حکم عدولی کر رہے تھے۔ بہر حال اخوان اس دن اپنی کوٹھڑیوں سے باہر نہ نکلے اور مطالبہ کیا کہ وہ اپنے وکیل کو بلا کر یہ اطلاع اس کے نوٹس میں لائیں گے۔ ان ظالموں نے اس اطلاع کی تردید کرنے کی بجائے انہیں کوٹھڑیوں ہی میں بھون ڈالا۔ اکیس اخوان موت سے ہمکنار ہوئے اور اتنے ہی زخمی۔

یہ کھلی حقیقت ہے کہ جب وہ لوگ قید خانے میں تھے اور ان کی سرزنش کرنا ہی تھی تو اور بھی طریقے اختیار کیے جا سکتے تھے، مثلاً یہ کھانا پینا بند کر دیا جاتا۔ وہ کب تک اپنی ضد پر اڑے رہتے، ایک دن ڈھیلے پڑ جاتے۔ لیکن جو کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا اور جس طرح ہوا، اس سے تو یہی نتیجہ نکالا جائے گا کہ یہ طے شدہ سازش تھی، جسے خفیہ ہاتھ کامیاب کراتے رہے۔ اس خفیہ ہاتھ کا نام جان لینا اتنا اہم نہیں، جتنا یہ سمجھ لینا کہ اخوان المسلمین کا خاتمہ ہی غیر ملکی مفاد میں تھا۔ اس کام کے لیے ہر طرح کے وسائل اختیار کیے گئے، جن میں گھر اجاڑنا بھی شامل تھا، قتل کرنا بھی، جسمانی تشدد بھی اور ذہنی اذیت میں مبتلا کرنا بھی۔

پھر اسے بھی صرف اتفاق کہہ کر نہیں ٹالا جا سکتا کہ صلاح دہوقی صاحب ہی لیمان طرۃ جیل کے سانحۂ قتل کی تحقیقات پر کیوں مامور کیے گئے۔ اخوان میں یہ عام طور سے مشہور تھا کہ ابتدائی عدالتی تحقیقات میں انہیں مظلوم قرار دیا گیا تھا، مگر جیسے ہی صلاح دہوقی آئے، تحقیق نے نیا موڑ لیا اور اب اخوان مجرم قرار پائے۔ مان لیجیے کہ اس افواہ میں حقیقت نہ تھی، مگر حالات نے جو رخ اختیار کیا اور جو فیصلہ کیا اور جو فیصلہ سنایا گیا، وہ تو سب کے سامنے ہے، اس سے تو افواہ کی صداقت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ مسئلہ صرف اس حد تک نہ تھا کہ ایک واقعہ ہوا جس میں اخوان نے حصہ لیا اور افسروں کے ساتھ ہاتھا پائی کی، بلکہ مقصد یہ تھا کہ انہیں کسی بہانے موت کے گھاٹ اتارا جائے۔

لیمان طرۃ جیل کے اس خون آشام حادثے کے بعد وہاں اخوان کے اہم لوگوں میں سے صرف محمد یوسف ہواش اور محمد زہری سلمان رہ گئے تھے۔ محمد زہری سلمان کا مطالعہ اور ذہنی ساخت اس طرح کی تھی کہ ان کے ساتھ اس موضوع پر بات کرنا مشکل تھا۔ صرف ہواش تھے جو اس لحاظ سے مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ ہم دونوں نے بہت سا وقت اس غور وفکر میں صرف کیا کہ ''اخوان المسلمین'' کا از سر نو اور بھرپور جائزہ لیا جائے۔

سیّد قطبؒ کی نگاہ میں تحریک اسلامی کی تصویر

اخوان المسلمین اور اسلام کی اولین تحریک کا باہمی موازنہ کر کے ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ عصر حاضر میں اسلامی تحریک کو انہی حالات کا سامنا ہے جو اسلام کی اولین دعوت کے زمانے میں پائے جاتے تھے، خصوصاً اس اعتبار سے کہ موجودہ معاشرہ اسلامی عقائد کی حیثیت سے روشناس نہیں رہا۔ وہ اسلامی نظام اور اسلامی شریعت ہی سے دور نہیں ہوا، بلکہ اس نے اسلامی قدروں اور اسلامی اخلاق سے بھی روگردانی اختیار کر لی ہے۔ ادھر یہ صورت حال ہے اور دوسری طرف صیہونی اور صلیبی استعماری طاقتوں نے اپنی باہمی رسہ کشی کے باوجود اسلامی دعوت کو مٹانے کے لیے اتحاد کر رکھا ہے اور اسلام کے نام لیوا ادارے اور تنظیمیں، خواہ ان کا دائرہ کار محدود تر ہو، ان کا خصوصی ہدف ہیں۔ اس مقصد کے لیے جس طرح کی سازش کی جائے، اور جو طریق کار اختیار کیے جائیں وہ سب روا ہیں۔

دشمن کا یہ حال ہے کہ وہ اس کام سے کسی لمحے غافل نہیں، مگر اسلامی تحریکات کا یہ مشغلہ رہ گیا ہے کہ محدود علاقائی وملکی سیاست بازی میں اپنی صلاحیتیں کھپا دیتی ہیں اور یہ طے کرنے میں لگی رہتی ہیں کہ فلاں ملک سے معاہدہ ہو یا فلاں ملک سے میدانِ جنگ ہو، فلاں پارٹی سے مفاہمت ہو اور فلاں پارٹی سے دشمنی۔ اسلامی تحریکات کا ایک کام یہ بھی ہو گیا ہے کہ وہ حکومتوں سے مطالبہ کریں کہ اسلامی نظام نافذ کریں اور شریعت کے مطابق حکومت چلائیں، جب کہ معاشرہ کا حال یہ ہے کہ وہ اسلامی عقائد اور ان کے تقاضوں کے سمجھنے کے اہل رہے ہیں، نہ عقیدے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحفظ میں کسی حمیت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں اور نہ ان کی زندگی میں اسلامی اخلاق کوئی مقام بنا سکتے ہیں۔ اس لیے اسلامی تحریکات کو اپنے کام کا آغاز بالکل ابتدائی سطح سے اور بنیادی فرائض سے شروع کرنا پڑے گا۔

بیداری کے لیے اسلامی عقیدے کا مفہوم دلوں اور دماغوں میں از سرِ نو پیدا کرنا ہوگا۔ اس دعوت کو جو قبول کرے اور صحیح مفہوم تک پہنچ جائے، اس کی اس طرح تربیت ہو کہ وہ اسلام کے رنگ میں رنگ جائے اور وقتی اور عارضی نوعیت کے سیاسی، بنتے بگڑتے واقعات میں دلچسپی لے کر وقت ضائع نہ کرے۔ نیز اس حد درجہ کوشش سے بھی بچے کہ اسلامی نظام بزور نافذ کر کے اسلامی حکومت تو قائم کر دی جائے گی، مگر اسلامی معاشرہ اسے ذہنی طور سے قبول کرنے اور خود سے اپنے اوپر وہ نظام نافذ کرنے کا اہل ہو نہ اس کے لیے تیار۔ حالانکہ اگر معاشرہ یہ رنگ اپنا لے تو حکومت کو خود اس راہ پر لایا جا سکتا ہے۔

پوری تحریک کا ڈھانچہ اسی طرح کے تربیتی نظام پر استوار کیا جانا چاہیے۔۔۔۔ مگر اس کے پہلو بہ پہلو ایک اور منصوبہ بھی تیار کرنا پڑے گا، جس کا مقصد خارجی شب خون سے تحریک کو اور اس سے وابستہ افراد کو بچانا ہو۔ کہ سرگرمیاں بھی جاری رہیں اور تحریکی افراد آسانی سے غیر ملکی سازشوں کو بروئے کار لانے والوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بھی نہ بن سکیں، جیسا کہ اخوان کے ساتھ 1948ء، 1954ء اور 1957ء میں ہوا۔ دوسری اسلامی تحریکات کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے، جس کی ایک مثال پاکستان کی ''جماعت اسلامی'' ہے جسے اسلام کی علمبرداری کے نتیجے میں ایسی ہی عالمی سازشوں کا سامنا کرنا پڑا، جیسا کہ اخوان کے ساتھ ہوا۔

یہ تحفظ کس طرح حاصل ہوگا؟ ہمارے ذہن میں یہ تھا کہ جماعت کے اندر ہی اس کے لیے ایک اعلیٰ تربیت یافتہ شعبہ قائم کیا جائے جو کمانڈوز پر مشتمل ہو جو اسلام کے اصول و احکام کے ماننے والے ہوں، اخلاقی و نظریاتی اعتبار سے دین سے وابستہ ہوں، پھر فن حرب سے واقف ہوں، بہادر اور جاں باز ہوں۔ یہ کمانڈوز کسی طرح بھی اپنی طرف سے زیادتی کا آغاز نہیں ہونے دیں گے۔ انہیں حکومت وقت سے دلچسپی ہوگی نہ اس کے خلاف سیاست بازی سے، اور نہ اکھاڑ پچھاڑ سے۔ اگر تحریک کو اپنے تربیتی منصوبے پر عمل کرنے دیا جائے، افہام و تفہیم کا عمل جاری رہے، اس دعوت کو راستے سے ہٹانے کے لیے کسی طرح کی زیادتی اور طاقت کا استعمال نہ ہو اور اس سے وابستہ افراد بے خانماں برباد نہ کیے جائیں تو یہ کمانڈوز کسی طرح کی مداخلت نہ کریں گے، مگر جب بھی تحریک پر ایسا حملہ ہو تو وہ ظالم کا ہاتھ پکڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور تحریک کی بحالی کی حد تک طاقت کا جواب طاقت سے دیں گے۔

غرض یہ کہ اسلامی نظام کا نفاذ اور اللہ کی شریعت کے مطابق حکومت چلانے کی مہم ایسی نہیں کہ اسے وقتی انداز کی سیاست سے حاصل کر لیا جائے۔ اسے اس وقت تک حاصل ہونا ممکن نہ ہوگا، جب تک خود معاشرہ اس کی طرف پیش قدمی نہ کرے۔

اسلامی تحریک کی یہ وہ تصویر ہے جسے میری حس نے جس طرح اخذ کیا، بھائی ہواش بھی اسی طرح محسوس کر رہے تھے۔ کرنے کا کام یہ تھا کہ اخوان کے دوسرے ارکان تک یہ پیغام پہنچایا جائے اور جو زیادہ میسر آ سکے، اس کام میں لایا جائے، اور جو ہم آہنگ اور ہم خیال ہوں، ان کے ساتھ تحریک کا آغاز ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1962ء سے آغاز میں اس تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ اس طرح کہ میں نے قید میں بند اخوان سے رابطہ قائم کر کے، ان تک اپنے احساسات پہنچانے شروع کیے۔ یہ قیدی زیادہ تر قناطر جیل کے تھے جو لیمان طرۃ جیل میں علاج کی غرض سے لائے گئے تھے۔ ملنے کا موقع اس وقت آتا جب وہ پریڈ کے لیے جیل کے صحن میں جمع ہوتے۔ ظاہر ہے ملاقاتیں سب سے نہ ہو سکتی تھیں، صرف چند قیدی تھے جن سے ملنے کا موقع ملا۔

میں اس وقت اخوان کی جماعت میں صرف ایک فرد تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اخوان مجھے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور مجھے ایک اسلامی مفکر اور مصنف کے طور پر یوں اہم ممبر مانتے تھے کہ میرے تجربے اور اسلامی خدمات سے فائدہ اٹھا سکیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر خود جماعت کے تنظیمی ڈھانچے یا اس کی فکری قیادت میں میرا کوئی حصہ نہ تھا۔ یہ کام صرف رہنما ادارے کا تھا یا جن کو وہ ذمہ داری سونپے۔ میں نہ اس ادارے کا ممبر تھا نہ مجھے اس کی طرف سے ایسی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ جو قیدی قناطر جیل سے آئے انہوں نے مجھ سے تبادلۂ خیال کیا کہ اسلامی تحریک کا انداز کیا ہونا چاہیے۔ میں نے انہیں بتایا کہ اسلامی عقیدے کا صحیح مفہوم کیا ہے اور اس وقت انسانی معاشرے اس سے کتنے دور ہو چکے ہیں اور یہی حال مسلمان معاشروں کا بھی ہو چکا ہے، جن کے ہاں دین ایک آبائی میراث کی شکل میں منتقل ہوتا رہا ہے اور اس کی صحیح روح غبار آلود ہو گئی ہے۔

ان سے ملنے والوں میں سب ایک عمر کے تھے نہ ایک سطح کے۔ بعض مزدور پیشہ تھے اور بعض مختلف سطح کے طالب علم جو ذہنی پختگی کے اعتبار سے ایک سطح کے نہ تھے۔ پھر بعض سے ملاقات صرف گھنٹہ دو گھنٹے کی رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے قناطر جیل جا کر جو بات پہنچائی، وہ اس سے مختلف ہو سکتی ہے، بلکہ بگڑی حالت میں بھی پہنچی ہوگی۔ ہاں کچھ نہ پوری امانت سے منتقل کیا ہوگا۔ اس وجہ سے انہوں نے مجھ سے ان کتابوں کی فہرست مانگی جو اخوان کے مطالعے میں بنیادی حیثیت سے رکھی جائیں۔ میں نے منتخب کتابوں کی فہرست بنا کر انہیں بھجوا دی۔ پھر ایک تربیتی پروگرام دے دیا جو مختلف گروپوں کے لیے تھا۔

1962ء سے 1964ء تک ایسے ایک سو (100) گروپ بن چکے تھے جو اس طرح تقسیم کیے جا سکتے ہیں:
25 گروپ تو اس مطالعے کے نظام سے ہم آہنگ ہو چکے تھے، اور اسلامی عقیدے کا صحیح تصور، نیز اسلامی تحریک کے صحیح دائرہ کار کو پا چکے تھے۔ تقریباً 23 گروپ وہ تھے جو اس طرز فکر کے مخالف تھے، کیونکہ جماعت کے رہنماؤں کی طرف سے اس کی تائید نہیں ملی تھی۔ تقریباً 50 گروپ وہ تھے جو مطالعے کے مرحلے سے گزر رہے تھے، مگر ابھی کسی واضح نتیجے تک نہ پہنچے تھے، یہاں تک کہ جیل کی مدت ختم ہوئی اور 1965ء میں سب رہا کر دیئے گئے۔

جن حضرات نے مطالعے میں حصہ لیا اور اس فکر کو ہضم کیا، ان میں سرفہرست یہ تھے:
مصطفی کمال، رفعت صیاد، سید عید، فوزی نجم، طوخی، صبری عنتر، عبدالمجید ماضی، وغیرہ۔
وہ لوگ جنہوں نے اس فکر کی شدت سے اور کھل کر مخالفت کی، ان میں سرفہرست یہ تھے: امین صدقی، عبدالرحمن بنان، لطفی نجم، عبدالرحمن جلال وغیرہ۔
وہ گروپ جو اسلام کا صحیح مفہوم پا چکا تھا اور اس کی طرف دعوت بھی شروع کر چکا تھا اس کے کئی افراد مجھ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہائی کے بعد ملنے آئے، مگر ایک تو رہائی کی مدت آٹھ ماہ تھی، پھر ملاقاتیں بھی گنی چنی، وقت بھی کم، اس لیے ان لوگوں کے ساتھ بہت تفصیل سے نشستیں نہ رہیں۔ مصطفیٰ کمال سے میری صرف ایک بار ملاقات ہوئی۔ نعمت صیاد سے چھ بار، سید عبد سے دس بار یا کچھ زیادہ، فوزی نجم سے تین بار، طوخی سے تین بار، سید دسوقی سے تین چار بار۔ ان کے علاوہ اور لوگوں سے ایک ایک بار ملا۔

تربیت واصلاح کا نیا انداز

رہائی کے بعد میری ملاقاتیں ان نوجوانوں سے ہوئیں جو اسلامی مزاج رکھتے تھے اور اخوان المسلمین سے باقاعدہ طور پر تھا، جیسے عبدالفتاح اسماعیل، علی عشماوی، احمد عبدالمجید مجدی، صبری وغیرہ۔ ان سے معلوم ہوا کہ انہوں نے چار سال پہلے ایک تنظیم بنائی تھی۔ اس میں وہ لوگ بھی تھے جو قید ہوئے تھے۔ زیادہ تر گرفتاری سے بچے رہے تھے اور بعض اخوان سے باقاعدہ تعلق نہ رکھتے تھے۔ ان کا جوڑ اس طرح بنتا گیا کہ ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تحریک اسلامی کا احیا ضروری ہے، مگر موجودہ حالات میں طرز عمل کو بدلنا ہوگا۔ آغاز میں وہ لوگ اپنے گرفتار ساتھیوں کے خاندانوں کے لیے چندہ جمع کرتے رہے۔ اس دوران میں ایک دوسرے سے تعارف اور تبادلۂ خیال ہوا۔ افکار کی ہم آہنگی سے تعلقات مستحکم ہو گئے تو انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ اب جماعت تشکیل دیں گے، تاکہ سب ہم خیال افراد مل کر کام کریں، مگر وہ سب کے سب جوشیلے، ناتجربہ کار نوجوان تھے۔ اس لیے انہوں نے جماعت کے بڑوں میں سے ایسے شخص کو ٹٹولا جو ان کی رہنمائی کر سکے۔ وہ استاد فرید عبدالحق سے ملے اور قید کاہوں میں رہنماؤں سے بھی بات کی، مگر کوئی راضی نہ ہوا۔

اس وقت انہوں نے طے کیا کہ جب میں رہا ہو جاؤں گا، تو قیادت مجھے سونپی جائے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ انہوں نے میری کتابیں پڑھی تھیں۔ میری تقریریں بھی سنی تھیں، اور انہیں اندازہ ہوا تھا کہ میرے افکار، مشاہدے وسعت دیتے ہیں۔ پہلے ان کے خیال میں سارا مسئلہ بس یہی تھا کہ ایک رضاکار فدائی تنظیم بنا کر اخوان کے خلاف ماحول بنانے والے افراد کو ختم کر دیا جائے اور اسلامی نظام کے قیام کا اعلان کر دیا جائے، مگر اب انہیں احساس ہوا کہ معاملہ اس سے زیادہ اہم اور وسیع ہے اور کام کرنے کا میدان کہیں بڑا ہے، کیونکہ حکومت بنانے سے پہلے معاشرے کی تربیت انتہائی ضروری ہے۔

اب مسئلہ قیادت کا تھا، جس کے لیے وہ مجھ سے کہہ رہے تھے۔ میرے سامنے دو راستے تھے

(۱) میں ان کے ساتھ تعاون کرنے سے قطعی انکار کر دوں۔ اس لیے کہ تنظیم سازی کا کام میرے منصوبے کے مطابق بہت بعد کا تھا۔ میں ان کے طریق کار سے متفق نہ تھا، کیونکہ تنظیم میں شامل افراد کی تربیت تو ہوئی نہیں۔ پھر ان سے وہ نتائج کیسے حاصل کیے جا سکتے تھے جو ایک بامقصد تحریک کے لیے ضروری ہیں۔ رضاکار دستے نظریاتی وابستگی کے بغیر جوش کا شکار ہو جائیں گے اور معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔

(۲) دوسرا راستہ یہ تھا کہ میں ان کے ساتھ تعاون تو کروں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ طریق کار میں جو بے نظمی ہو گئی ہے، اس کی تلافی کی جائے اور تحریک اپنے اصلی تصور کی طرف آئے۔ تعاون کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ قابو میں رہیں گے اور جوش میں آ کر غلط قدم نہ اٹھائیں گے۔ خاص طور سے اس لیے بھی کہ وہ اس وقت شدید قسم کے ردعمل کا شکار تھے۔ پھر ان کے ساتھ رہ کر ہی یہ ممکن تھا کہ میں ان کی توجہ اسلامی نظام کے نفاذ سے ہٹا کر عقیدے کی درستی اور اصلاح کی طرف موڑ دوں۔ چنانچہ میں نے دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔

میں نے از راہِ احتیاط ان سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ موجودہ حالات میں تحریک اسلامی میں آنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ وسیع النظر، عمیق فہم اور اسلام کی گہری معلومات رکھتا ہو۔ پھر تحریک کی تاریخ سے بھی واقف ہو۔ اسے یہ بھی معلوم ہو کہ عالم اسلام کے حالات کیا ہیں۔ گردوپیش میں کیا طوفان اٹھ رہے ہیں۔ دنیائے اسلام کے سامنے چیلنج کیا ہے اور اس کا جواب کیسے دینا ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا:

''تم لوگ مجھ سے رہنمائی چاہتے ہو، مگر تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں لاعلاج بیماریوں میں مبتلا ہوں۔ یہ درست ہے کہ موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے، لیکن یہ صحیح ہے کہ تقدیر میں اللہ ہی کے پیدا کردہ اسباب اور ظاہری حالات کے مطابق تیاری بھی شامل ہے۔ اس لیے تمہیں یہ بھی کرنا ہے کہ قیادت بھی اپنے اندر ہی سے اٹھاؤ اور ایسے لوگ تیار کرو جو یہ ذمہ داری سنبھال سکیں۔ میری اپنی کوشش تو یہی ہوگی کہ میں اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا کر تمہیں دین سے باخبر کروں اور فکری طور پر تم میں رہنمائی کے جوہر پیدا کروں۔ جہاں تک تمہاری دین داری، تقویٰ، اخلاص اور تعلق باللہ کی بات ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ اس اعتبار سے تم لوگوں کا معاملہ قابل اطمینان ہے۔''

سیّد قطبؒ شہید کی ڈائری کا ایک ورق

بہرحال میں ان کے اجتماعات میں شرکت ہوتا رہا۔ جو کبھی ہفتے دو ہفتے میں ایک بار ہوتے اور کبھی مہینے میں ایک بار۔ اس کی وجہ میری مصروفیت تھی۔ درس کا آغاز میں نے تحریک اسلامی کی تاریخ سے کیا اور انہیں بتایا کہ مخالف کیمپ میں کون کون ہے۔ ہر ایک کا کام کا انداز کیسا ہے اور کون سے راستوں سے حملہ ہوتا ہے۔ اس کیمپ میں مشرک بھی ہیں، بے دین بھی، یہودی بھی اور صلیبی بھی۔

عالم اسلام کی جدید تاریخ پر بھی میں نے مختصر روشنی ڈالی۔ خصوصاً فرانس کے مصر پر حملے کے بعد جو حالات ہوئے اور ان کے عالم اسلام پر کیا اثرات پڑے، ان کی طرف اشارہ کیا۔ تربیت دینے کے لیے انہیں خبریں سناتا اور ان سے تجزیے کرنے کے لیے کہتا۔ اسی طرح ان سے کہا کہ کچھ لوگ عالمی خبر رساں اداروں کے نشریے سنیں اور مواد جمع کر کے اس پر تبصرہ کریں اور جو لوگ فرانسیسی اور انگریزی سے واقف ہوں، وہ ان پرچوں کو دیکھیں جو مغرب میں چھپتے ہیں اور جن میں عالم اسلام سے متعلق مضامین ہوتے ہیں۔

اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ ہم طاقت کا استعمال نظام حکومت کے بدلنے یا اسلامی نظام قائم کرنے میں ہرگز نہیں کریں گے، مگر تعلیم پر آنچ آئی تو جواب دینے میں تامل نہیں کریں گے، تاکہ تنظیم کا یہ مقصد کہ معاشرے میں تربیت یافتہ افراد تیار کیے جائیں اور اسے اسلام کے مکمل نفاذ کی بنیاد بنایا جائے۔ فدائی گروپ بنانے کا مطلب یہ تھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ان کے لیے اسلحے کی فراہمی ہو، اور اس کے لیے مالی وسائل مہیا کیے جائیں۔ جہاں تک تربیت کا سوال ہے تو مجھے معلوم ہوا کہ مجھے ملنے سے قبل ہی وہ مرحلہ طے کر چکے تھے، لیکن انہوں نے ایک پہلو پر توجہ نہ دی تھی۔ وہ یہ کہ تربیت لینے والا صرف وہ شخص ہو جو عقیدے کی پختگی اور دین سے وابستگی میں آگے ہو۔ اسی لیے میں نے ان کی توجہ اس طرف دلائی تھی اور یہ بھی پوچھا تھا کہ ایسے کتنے افراد ہوں گے جو اس معیار پر پورے اتریں۔ بہ حال طے ہوا کہ تربیت کا کام تیزی سے شروع کیا جائے، لیکن اگر صرف باتیں ہی ہوتی رہیں، کام نہ ہوا تو نوجوان مایوسی کا شکار ہونے لگیں گے۔ اس کے ساتھ ان افواہوں نے بھی اس جانب توجہ زیادہ کروادی کہ اخوان کی گرفتاری کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔

اسلحے کی فراہمی

اسلحے کی فراہمی کا مسئلہ ایسا ہے کہ اسے دو رخ سے دیکھنا چاہیے:

1۔ مجدی نے مجھے بتایا کہ اسلحے کی فراہمی کا معاملہ خاصا پیچیدہ ہے، حتیٰ کہ تربیت کے لیے بھی اسلحہ دستیاب نہیں ہو رہا، اس لیے گھر بم سازی کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ اب تک جو تجربے ہوئے ہیں، وہ حوصلہ افزا ہیں۔ بس ان کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

2۔ ایک مرتبہ علی عشماوی بغیر کسی پیشگی اطلاع کے مجھ سے ملنے آئے اور انہوں نے بتایا کہ دو سال پہلے انہوں نے ایک دوسرے عرب ملکوں کے اخوانی سے کچھ خاص نوعیت کا اسلحہ بھیجنے کے لیے کہا تھا۔ اس وقت تو بات آئی گئی ہوگئی، لیکن اب ساتھی کا جواب آیا ہے کہ اسلحہ فراہم کیا جا سکتا ہے، جو گاڑی کی مقدار میں ہے اور جسے دو ماہ کے اندر سوڈان بھیجا جا سکتا ہے۔ یہ نئی گرفتاریوں سے پہلے کی بات ہے اور اس وقت حالات کے بگڑنے کا اندازہ نہ تھا۔

یہ اطلاع یکا یک ملی۔ اس لیے باقاعدہ طور پر سب کے ساتھ کچھ طے کرنے کا موقع نہ ملا۔ دوسرے ہی دن شیخ اسماعیل میرے پاس آئے اور ایسا لگا تھا کہ علی عشماوی سے انہیں ساری بات معلوم ہوگئی ہے۔ وہ خاصے پریشان دکھائی دے رہے تھے، کیونکہ وہ اس طرح کا منصوبہ پسند نہ کرتے تھے۔ مجھ سے کہا کہ اس موضوع کو صبری کے آنے تک ملتوی کر دیا جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم نے بھی یہی طے کیا ہے کہ سب جمع ہو کر مشورہ کریں گے۔

سب جمع ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ اگر وہ لیبیا کا راستہ چنتے ہیں تو میں بھی ایسے افراد کو جانتا ہوں جو اس کام میں مدد دے سکتے ہیں۔ یہ لیبیا کے دو اخوانی تھے جو جیل میں ساتھ رہے تھے۔ ایک طیب شین جو مرسی سیان کے علاقے میں بنیادی تعلیم گاہ میں استاد تھے جو ڈرائیور لیبیا سے مصر تک کا صحرائی علاقہ طے کرتے تھے، ان سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ دوسرے مبروک نامی ایک شخص تھے، جنہوں نے ایک ملاقات میں بتایا تھا کہ مصر اور لیبیا کے درمیان چلنے والے قافلوں میں ان کے بعض رشتے دار بھی کام کرتے ہیں۔ اس وقت میں نے زیادہ دلچسپی نہ لی تھی اور نہ پوچھا کہ وہ قافلے کس طرح کے ہوتے ہیں۔ انہوں نے بس یہ کہا تھا کہ آپ کو لیبیا سے کچھ منگوانا ہو تو بہت حفاظت سے آپ تک پہنچ جائے گا۔ وہ تجارت بھی کرتے تھے اور دوران گفتگو ذکر آیا کہ وہ مصر میں بنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹوپیاں لے کر ہم جیل میں پہنچتے ہیں۔ یہ ٹوپیاں صرف سکندریہ میں ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے بتایا تھا کہ اپنے ساتھ کتابیں لے کر آ رہے ہیں۔

جہاں تک مالی امداد کا تعلق ہے، شیخ اسماعیل مجھ سے کئی مرتبہ کہہ چکے تھے کہ ان کے پاس ایک رقم بطور امانت رکھی ہوئی ہے۔ جو دینے والے نے یہ کہہ کر دی ہے کہ فلاں کام میں استعمال کی جائے، اگر کہیں اور استعمال کرنا ہو تو ان سے اجازت لی جائے۔ میں نے جب اسلحہ سازی کے لیے رقم کا تذکرہ کیا اور ان سے پوچھا، کیا وہ رقم اس مد میں استعمال کی جا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ جو رقم مانگیں، وہ مہیا کر دی جائے گی، میں متعلقہ شخص سے اجازت لے لوں گا۔ میں نے اس پر آمادگی ظاہر کر دی، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ جب تک شرعی اجازت نہ حاصل کر لیتے، اجازت نہ دے سکتے تھے۔ رقم فراہم کرنے والے کے بارے میں بس اتنا معلوم ہوا تھا کہ مصر سے باہر کے کسی اخوانی نے دی ہے۔ اگر رقم اخوانی کی نہ ہوتی تو میں کبھی نہ لیتی، کیونکہ تحریک اسلامی کا یہ بنیادی اصول ہے کہ وہ کسی نظریے سے غیر وابستہ افراد سے نہ قبول کرے نہ استمداد، نہ کوئی فائدہ اٹھائے۔ بہر حال ہم اپنے وسائل بروئے کار لا کر انجام دے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ایک ہزار پونڈ کے لگ بھگ وہ رقم کسی محفوظ جگہ رکھی ہوئی تھی۔ اسی طرح عراق کے اخوان سے بھی رقوم ملے تھے۔ وہ میں نے علی عشماوی کے پاس رکھوا دی تاکہ اسے استعمال میں لائیں۔

طاقت کے ذریعے اقتدار پر قبضہ یا نظام حکومت کو بدل کر اسلامی نظام کا نفاذ ہمارا مقصد نہ تھا۔ مقصد حکومت کی جارحیت کا جواب دینا تھا اور یہ اصول خود اسلام نے دیا تھا۔ ہم پر زیادتی کا آغاز 1954ء سے شروع ہوا پھر 1957ء میں یہ دہرایا گیا۔ جیلیں بھر دی گئیں، قتل کیے گئے، گھر اجاڑے گئے۔ گزرے ماضی میں جو کچھ ہوا اسے ہم نے بھلا دیا۔ اس کا ہمیں اب جواب نہیں دینا مگر ایک بار پھر زیادتی ہوئی تو ہم آسانی سے نہ ہونے دیں گے۔ ہاں جواب اس وقت دیں گے جب عملاً زیادتی ہو، اپنے حالات کی وجہ سے نہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات کی پیروی میں۔ ہم عزت و ناموس پر حرف نہ آنے دیں گے، نہ بچوں اور عورتوں کو فاقہ کشی سے مرنے دیں گے، کیونکہ اسلام تو یہاں تک کہتا ہے کہ کسی پر حد لگے تو اس کے خاندان کی پرورش سرکاری خزانے سے ہوگی۔ اس بے زیادتی کے مرحلے تک ہم اختیار کر سکتے نہیں لیکن یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ اٹھنے والے ہاتھ توڑ دیں۔ اگر یہ اسلامی تحریک ہے تو اسے مٹانا اتنا آسان نہ ہوگا۔ ہم تو یہ چاہتے تھے کہ وہ جماعت کی آبرو ہیں، اس اخلاق ہے اور دین کے ذمے میں قیمتی سرمایہ ہیں، انہیں تحفظ دے اور دونوں ختم کر دیے جائیں۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ ایک اصولی بات یاد رکھیں کہ تمام وسائل خود اپنے مہیا کردہ ہوں۔ کسی ادارہ کی طرح کا تعاون نہ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جوابی کارروائی ایک بارگی اور بھرپور ہو تاکہ نقصان کم سے کم ہو اور مقصد حاصل ہو جائے۔

ایک اجتماع میں احمد عبدالمجید نے ایک فہرست پیش کی۔ اس میں وہ نشانے (ٹارگٹ) بتائے گئے تھے، جنہیں تباہ کر کے مفلوج کیا جائے گا اور حکومت معطل ہو کر رہ جائے گی، اور پھر وہ ہاتھ جنہوں نے منشیہ کے حادثے کا تانا بانا تیار کیا، پھر اسے اخوان کی طرف موڑ دیا، وہ طرۃ جیل میں اخوان کو خون سے نہلا گئے۔ وہ ہاتھ خواہ حکومت کے اندر کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں یا غیر ملکی، انہیں قتل کر دیا جائے اور حکومت کے ادارے ان کا حکم نہ مانتے رہیں۔ حکومت کے ادارے بھی اخوان دشمن منصوبے نافذ کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو نشانہ بنانا ضروری تھا۔ وہ اس طرح کہ صدر مملکت، وزیر اعظم، پولیس چیف اور محکمہ جاسوسی کے سربراہ کو مار دیا جائے، مواصلاتی نظام درہم برہم کیا جائے اور پل تعمیر کرنے کے لیے پل اڑا دیے جائیں (بعد میں پل اڑانے کا منصوبہ خارج کر دیا گیا)۔

میں نے کہا کہ منصوبہ بہت بڑا ہے لیکن کیا آپ نے ... کی قوت کا اندازہ ہوا کہ وسائل تو بہت ضروری ہیں۔ بڑی شخصیات جیسے صدر مملکت، وزیر اعظم وغیرہ تو زبردست پہرے میں رہتے ہیں۔ ان تک پہنچنا آسان کام نہیں۔ اس لیے جو تربیت چاہیے اور جتنا اسلحہ چاہیے وہ مہیا نہیں۔ پھر یہ طے ہوا کہ تربیت کا کام تیز کر دیا جائے۔ میں تو اس کام کو ایک ... سے آخری حد تک ... حالات بدل رہے تھے۔ لگ رہا تھا کہ اخوان کے ہاتھ مضبوط ہونے والے ہیں۔ اس لیے میں نے اس پر رضامندی ظاہر کر دی۔

اب حکومت اور حکومتی اخباروں نے اخوان کے خلاف زور شور سے محاذ کھول دیا تھا۔ یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا کہ اخوان میں زندگی کی لہر دوڑ رہی ہے۔ نئی قیادت ابھر رہی ہے۔ اخوان سے منسوب کر کے اشتہارات لگائے جاتے جن میں جوشیلے نعرے ہوتے اور بھڑکانے والی باتیں لکھی جاتیں۔ ایک واقعہ خود سامنے آیا۔ دو عیسائی پادری جیپ میں جا رہے تھے کہ حادثے کا شکار ہو گئے اور مر گئے۔ ان کے بیگ دیکھے گئے تو ان میں اخوان کے دستخطوں سے ایسے اشتہار نکلے جو فرقہ وارانہ فضا پیدا کر سکتے تھے۔

استاد میز ولی نے کہا کہ جوشیلے نوجوانوں پر اعتبار نہ کیجئے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اخوان کو خطرے میں ڈالنے کے لیے یہاں میں داخل کیے گئے ہیں۔ یہ سی آئی اے کی سازش ہے۔ حکومت میں دو آرا چل رہی ہیں۔ ایک یہ کہ جو ڈھیل دے کر پکڑا جائے۔ دوسرے یہ کہ فوری طور سے انہیں قید میں کر لیا جائے۔

کچھ مدت پہلے عبدالرزاق ہویدی نے یہ بات استاد مراد زیارت سے نقل کی تھی کہ وہ ... عبدالرزاق کے داماد تھے۔ فرید استاد میز ولی سے تعلق رکھتے تھے اور دونوں میں گہری ہم آہنگی تھی۔ عبدالرزاق ... یہی بتایا کہ یہ نوجوان سابق وزیر اوقاف عبدالعزیز علی سے ملا کرتے تھے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ... ہیں اور امریکیوں کے لیے کام کرتے ہیں۔

یہ نوجوان استاد عبدالعزیز اور استاد فرید سے ملنے زینب غزالی کے گھر گئے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ رہنمائی کے لیے مختلف لوگوں سے مل رہے تھے۔ عبدالعزیز سے ان کی بات ہوئی مگر وہ ان کی فکر کو قبول نہ کر سکے اور انہوں نے اپنی تنظیم کی تفصیلات وزیر موصوف کو کچھ نہ بتائی تھیں۔ جب میری ملاقات استاد فرید سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ ان نوجوانوں کی وابستگی مشکوک ہے، کیونکہ یہ مشتبہ افراد سے جیل میں ملتے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ مشتبہ افراد سے ان کی مراد وہی استاد عبدالعزیز ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ نوجوان استاد عبدالعزیز سے اب کوئی ربط نہیں رکھتے۔ جہاں تک زینب غزالی کا تعلق ہے انہوں نے قیدی ساتھیوں کے خاندان والوں کی بڑی خدمت کی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کا مرشد حسن بھیجی کے گھر میں آنا جانا تھا اور وہ ان پر اعتماد کرتے تھے۔

ان حالات سے یہ نتیجہ تو نکالا جا سکتا تھا کہ لاوا پک رہا ہے اور اخوان کو کسی نئی سازش میں پھانسنے کے لیے جال پھیلایا جا رہا ہے۔ اخوان جائیں گے تو یہ تنظیم بھی زیر عتاب آئے گی۔ اس لیے ضروری تھا کہ فوجی تربیت جلد از جلد مکمل کی جائے۔ مگر وسائل تو تھے نہیں، اس لیے منصوبہ کاغذ کی حد تک ہی رہا۔

ان نوجوانوں کے ساتھ یہ میرا آخری اجتماع تھا۔ ان میں سے بس شیخ عبدالفتاح اسماعیل اور علی عشماوی سے ایک بار پھر ملاقات ہوئی تھی، مگر اس وقت یہ نہ پوچھ سکا کہ تربیت رک گئی یا چل رہی ہے۔ پھر وہی ہوا، جس کا اندیشہ تھا۔ اخوان پکڑے گئے، مگر اس تنظیم کے افراد آزاد تھے۔ منصوبے کی منظوری اور گرفتاری کے درمیان مختصر وقفے میں ظاہر ہے کہ تربیت نہیں ہو سکتی۔

میں نے زینب غزالی کے ذریعے اشارہ بھیجا کہ وہ سوڈان کا منصوبہ یعنی اسلحے کی فراہمی ترک کر دیں اور دوسرے اقدامات بھی نہ کیے جائیں۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ یہ پابندی عارضی ہے یا مستقل۔ میں نے کہا کہ یہ عارضی پابندی ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو کہ بھرپور حملہ کرنے کا موقع مل جائے، اس پر غور کیا جا سکتا ہے، چونکہ ایسا موقع نہ ملا، اس لیے عملاً یہ منصوبہ ترک ہی ہو گیا۔

اولین اجتماعات میں زیادتی کا جواب دینے کے متعلق تجویزیں چل رہی تھیں۔ ایک تجویز یہ آئی کہ مواصلات کا نظام تباہ کر دیا جائے۔ پل اڑائے جائیں۔ اس طرح حکومت فوری حرکت سے باز رہے گی، مگر یہ تجویز پسند نہ کی گئی، کیونکہ اس سے بے عام لوگ متاثر ہوتے۔

میں نے ایک بار کہا تھا کہ صیہونیت کے حامی اس خطے کو برباد کرنے کے لیے انسان کی روحانی طاقت کمزور کرنے کے بے فاشزم، الحاد، منشیات اور اخلاق سوز لٹریچر پھیلائیں گے اور اقتصادیات کی کمر توڑنے کے لیے معاشی بدحالی لائی جائے گی جس کے بعد فوجی حملہ ہوگا۔ چنانچہ فیصلہ یہی ہوا کہ صرف وہ عمارتیں تباہ کی جائیں، جن سے حکومت کا کام متاثر ہو اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ مگر بات آگے کیسے بڑھتی؟ سرمایہ تھا، نہ اسلحہ اور نہ تربیت۔

مصر کے باہر کے اخوان

پچھلے سال ہی کی بات ہے کہ بھائی علی عشماوی نے مجھ سے کہا کہ مصر میں عراقی اخوان کے ایک نمائندے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ مصر میں اپنی تعلیم مکمل کر کے عراق لوٹ رہے ہیں۔ ان کا نام عاصم ہے۔ میں نے انہیں وقت دے دیا۔ وہ آئے اور ان سے خاصی دیر باتیں ہوتی رہیں۔ موضوع سخن مختلف ملکوں میں اخوان کے حالات رہے۔ ان صاحب کا کہنا تھا کہ بیرونی اخوان مصر کی جماعت اخوان کو اپنا قائد مانتے ہیں، اس لیے اس سے رہنمائی کی توقع رکھتے ہیں، مگر یہاں کی قیادت ان سے رابطہ رکھتی ہے نہ کوئی مشورہ دیتی ہے، جس کی وجہ سے ہر گروپ اپنے اجتہاد سے کام لے کر مناسب طریق کار اختیار کر لیتا ہے۔ وہ اس بات پر کبیدہ خاطر تھے کہ مصر کے اخوان میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے تحریک چلانے کے سلسلے میں ان سے کہا کہ نظام کے قیام سے پہلے عقیدے کی حقیقت سمجھائی جائے۔ تنظیم سے پہلے افراد کی تربیت کی جائے، اور ''اسلامی انقلاب'' لانے کو مقصد بنا کر ساری جدوجہد ضائع نہ کی جائے۔ اسی طرح تحریک کو وقتی سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے بچا کر رکھا جائے۔

کچھ ماہ کے بعد ساتھی عراق سے پھر مصر آئے تو مجھ سے ملے۔ ان کے ساتھ ایک صاحب اور بھی تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ عراق کے اخوان نے ہمیں پابند کیا ہے کہ ہم آپ سے رابطہ رکھیں، کیونکہ آپ کا طرز فکر اور طریق کار ہمارے انداز سے قریب تر ہے۔ پھر انہوں نے مجھے 200 پونڈ بطور ہدیہ دیئے۔ میں نے یہ رقم علی عشماوی کے سپرد کی۔ اس کے بعد ان سے رابطہ نہ رہا۔

گزشتہ مئی میں اردن کے اخوانی نمائندے مجھ سے ملے۔ نام شاید عبدالرحمٰن تھا اور پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر۔ انہوں نے مجھے رہائی پر مبارک باد دی اور اردنی اخوان کے نگران اعلیٰ استاد عبدالرحمٰن خلیفہ کا سلام پہنچایا۔ انہوں نے بتایا کہ تنظیم آزادی فلسطین (پی ایل او) کے سربراہ محمد شقیری نے اخوان سے تنظیم کے اندر دعوت کا کام کرنے کے لیے کہا۔ اخوان نے انہیں سنجیدہ دیکھ کر آمادگی ظاہر کی اور ایک انتظامی باڈی تشکیل پائی، لیکن اس میں اخوان کو لینے کی بجائے ایسے افراد لئے گئے جو کمیونسٹ خیال کے تھے۔ اخوان نے اس مرتبہ توجہ دلائی تو انہوں نے نظر ثانی کا وعدہ کیا۔

انہوں نے شکایتاً یہ بھی کہا کہ مصر کے اخوان اردن کے اخوان سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے، حالانکہ موخر الذکر اپنے آپ کو قاہرہ کے تحت سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک قصہ بھی سنایا کہ ایک بار سری سفیر کی استاد عبدالرحمٰن خلیفہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے کہا کہ اگر انہیں قاہرہ کی طرف سے سرکاری طور پر دعوت نامہ ملے تو کیا وہ مصر آئیں گے۔ استاد خلیفہ نے جواب دیا کہ میں اپنی قیادت کا پابند ہوں۔ اگر مرشد حسن الہضیبی نے مجھے بلایا، یا انہوں نے منظوری دے دی تو میں ضرور آؤں گا۔ سفیر نے کہا کہ آپ لوگ اپنا مستقبل سرکے اخوان سے وابستہ نہ کیجئے۔ استاد خلیفہ نے کہا کہ ہم تو ان کا ایک حصہ ہیں اور ان کے تابع۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ تنظیم آزادیٔ فلسطین کے بارے میں ہم کیا رویہ رکھیں۔ میں نے کہا کہ ایسے مسئلے پر، جو آپ کا داخلی مسئلہ ہے میں کوئی متعین مشورہ نہیں دے سکتا، کیونکہ میں مرشد نہیں ہوں۔ دوسرے آپ اپنے حالات مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہیں۔

مرشد حسن الہضیبی بیمار تھے اور ان کے ایک چچازاد بھائی کی وفات ہوگئی تھی، اس لیے میں ان کے پاس گیا کہ عیادت بھی ہو جائے اور تعزیت بھی، تو انہوں نے کہا: ''شام کے عرب قوم پرست استاد عصام عطار (شام میں اخوان کے سربراہ) سے ملے اور پیش کش کی کہ امین حافظ کی بعث پارٹی کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے دونوں مشترکہ محاذ بنائیں، کیونکہ بعث جہاں اخوان کے خلاف ہیں، وہیں عرب قوم پرستوں کو بھی نہیں بخشتے۔ عصام عطار نے کہا کہ ایسا محاذ بنایا گیا تو اسے شام کے اخوان پسند کریں گے، نہ دوسرے عرب ممالک کے اخوان، کیونکہ عرب قوم پرستوں کے مصری حکومت اور پارٹی سے گہرے تعلقات ہیں، اور مصر کے اخوان جیلوں میں پڑے ہیں، اس لیے ایک ظالم حکومت کے ہمنواؤں سے معاہدہ پسندیدہ فعل نہیں۔ اگر مصری اخوان رہا کر دیئے جائیں، تب اس پیش کش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پر غور کیا جا سکتا ہے۔"

ایک بار علی عثمانی نے مجھ سے کہا کہ سوڈانی اخوان کے ایک نمائندے مصر میں رہتے تھے۔ وہ مجھ سے تو نہ مل سکے، البتہ علی عثمانی سے ان کی ایک دو بار ملاقات ہوئی۔ ان کی گفتگو علی عثمانی نے میرے سامنے دہرائی۔ ان کے کہنے کے مطابق سوڈان میں حکومت کا تختہ الٹنے میں اخوان کا ہاتھ تھا (یہاں ابراہیم عبود کی فوجی حکومت مراد ہے جو 1964ء میں عوامی دباؤ سے ختم ہو گئی تھی) آنے والے انتخابات کے بارے میں وہ بہت پر امید تھے اور کہتے تھے آئندہ حکومت اسلامی ہوگی (بعد میں مئی 1965ء کے جو انتخابی نتائج سامنے آئے، وہ بہت حوصلہ شکن تھے)۔

میں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسلام لانے کا یہ طریقہ نہیں۔ اسلام کا غلبہ اسی وقت ممکن ہے جب اس کے لیے وہ کوشش کی جائے جو نیچے سے اصلاح کا کام شروع کرے، خواہ اس میں کتنا ہی وقت لگے اور کتنا ہی انتظار کرنا پڑے۔ اوپر سے نفاذ کے ذریعے اسلام نہیں آئے گا، کیونکہ اس سے پہلے عقیدہ دلوں میں تازہ کرنا ہوگا اور مقصد تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ ان تجربات سے نہیں گزرے، جن سے اخوان گزر چکے ہیں۔ جب وہ ان تجربات سے گزریں گے، تب شاید ان کی سوچ میں تبدیلی آئے۔

میری گرفتاری سے ایک ہفتہ پہلے اگست میں لیبیا سے تین ساتھی ملنے آئے۔ ان میں سے ایک کا نام یاد ہے۔ طیب۔ مصر سے لوٹتے ہوئے مجھ سے ملاقات کی تھی اور بتایا تھا کہ فاتح آپ سے ملنے کا اشتیاق رکھتے ہیں اور کب سے انتظار کر رہے ہیں کہ آپ رہا ہوں تو ملاقات ہو۔

حسب وعدہ وہ آئے اور ان کے ساتھ مبروک بھی تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ منشیہ کے حادثے کی حقیقت کیا ہے۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ ایسا کام اخوان میں سے کوئی کر سکتا ہے۔ پھر عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ ایک شخص اتنی دور سے ریوالور سے گولی چلائے جو ناصر تک پہنچ جائے۔ میں نے اپنی معلومات کے مطابق بتایا کہ اس قصے کے دو راوی ہیں۔ اصلاح دسوقی، ایک کرنل جس کا ابھی انتقال ہوا ہے، اور تیسرا غیر معروف شخص۔

میرے بھائی اس ملاقات سے دو روز قبل ہی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ وہ کس جیل میں رکھے گئے ہیں۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ انہیں کس جیل میں رکھا گیا ہے اور کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔ میں جانتا تھا کہ وہ کسی پارٹی کے ممبر نہیں نہ کسی جماعت میں سرگرم۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ اب تو خود میری گرفتاری کا امکان ہے۔ گرفتاریوں کا دائرہ جس تیزی سے پھیل رہا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اخوان سے وابستہ سب ہی پکڑے جائیں گے، اور منشیہ کا حادثہ پیش نظر رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آئندہ بھی کوئی طاقت، یا حکومت، یا کیمپ حکومت مصر کو الٹ دے تو ایک بار پھر وہ اخوان کے ساتھ ایسا واقعہ دہرا سکتے ہیں۔

مجھے یہ خبریں بھی ملی تھیں کہ مصری حکومت میری بعض کتابیں ضبط کرنا چاہتی ہے اور آئندہ نئے ایڈیشن نہ چھاپنے دے گی۔ یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے فاتح سے کہا کہ ضبطی کا واقعہ ہو جائے اور مصر سے باہر کوئی بھی ناشر میری کتابیں چھاپنا چاہے، تو اسے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ لیبیا میں ایک پریس اور کتاب گھر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی اس اجازت سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اس ادارے کی ایک شاخ

www.KitaboSunnat.com

بیروت میں ہوگی، کیونکہ وہاں درآمد، برآمد اور طباعت کی خاطر خواہ سہولتیں موجود ہیں۔ انہوں نے یہ پیشکش بھی کی کہ مصنف کو جو رائلٹی دی جاتی ہے، وہ پیشگی دیئے جاتے ہیں۔ کتابیں بعد میں چھپتی رہیں گی۔ میں نے شکریے کے ساتھ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

جیل سے رہائی کے بعد پچھلے سال ہی ایک شامی اخوانی مجھ سے ملنے آئے تھے۔ وہ لندن میں اپنی تعلیم مکمل کرنے قیام کر رہے تھے۔ انہوں نے شامی اخوان المسلمین کے سربراہ عصام عطار کی طرف سے رہائی پر ان کی طرف سے مبارک باد پہنچائی۔ انہوں نے بتایا کہ شامی اخوان کو اندیشہ ہے کہ بعض انہیں سخت نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ ان کے استفسار پر میں نے مشورہ دیا کہ وقتی سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے جس قدر ممکن ہو دور رہیں، کیونکہ اصل کام پچھ اور ہے، اور اس کا میدان اس قدر ہمہ گیر اور بڑا ہے کہ نتائج آہستہ آہستہ دیر سے نکلیں گے۔ یہ میدان ہے اسلامی عقیدے، اقدار، اخلاق اور اسلامی طرز عمل کی تعمیر کا، تا کہ نیا اسلامی معاشرہ تیار ہو جو اللہ کی مرضی کے مطابق طویل اور صبر آزما جدوجہد میں لگا رہے، یہاں تک کہ اسلامی نظام قائم ہو جائے۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ شام کے اخوان جماعت کے قیام ہی سے سیاسی اتار چڑھاؤ میں اتنے زیادہ الجھ گئے تھے کہ ان کی تربیت سازی کا کام متاثر ہوا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ملکی سیاست میں حصہ نہ لیں اور سیاسی واقعات پر اثر انداز نہ ہوں تو ہم کٹ کر رہ جائیں گے۔

میں نے ان سے کہا کہ اخوان یا کسی اور اسلامی تحریک کو میدان سے ہٹانے کا جو عمل جاری ہے، وہ علاقائی اسباب سے وابستہ نہیں، بلکہ اس کا تعلق تو صیہونیوں اور صلیبیوں کی استعماری سازشوں سے ہے، جو بہت ہی مہارت سے ایسے حالات کی پرورش کرتے ہیں اور ایسے حادثات اتفاقاً پیش آ جاتے ہیں کہ جب تحریکات پر ہاتھ ڈالا جاتا ہے تو یوں لگتا ہے، جیسے فلاں علاقائی سبب سے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ ہمارے دشمن، دشمنانِ اسلام تو ہیں ہی، مگر ان کی خوش قسمتی ہے کہ خود ہمارے اندر سے ہی انہیں ایسے عناصر مل جاتے ہیں جو اس مقصد میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

پچھلے سال ہی رہائی کے بعد سید محمد یوسف جو استاد شیخ امجد کے بھتیجے ہیں، علاج کے لیے مصر تشریف لائیں۔ علامہ امجد زہاوی عراق کے بڑے عالم اور اسلام کے خادم تھے۔ وہ مجھ سے ملنے آئیں اور امجد زہاوی کی طرف سے سلام اور مبارک باد پہنچائی۔ انہوں نے کہا جب آپ جیل میں تھے اور آپ کی خرابی صحت کی اطلاع شیخ کو ملتی تو وہ بہت کبیدہ خاطر ہوتے۔ ایک مرتبہ وہ عراق کے صدر عبدالسلام عارف سے اسی لیے ملنے گئے۔ صدر عبدالسلام عارف نے کہا کہ میں خود سید قطب کو جانتا ہوں۔ ان کی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' جیل میں میری ہمدم تھی اور ان کی رہائی کے لیے میں خود جمال عبدالناصر سے بات کروں گا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ کوشش کامیاب ہوئی اور آپ کو رہائی ملی۔ جب عبدالسلام عارف قاہرہ سے لوٹ کر بغداد پہنچے تو ایئرپورٹ ہی سے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا کہ مبارک ہو، کوشش کامیاب ہوئی۔

رہائی کے بعد ہی عزت مآب سفیر عراق متعینہ مصر بھی مجھ سے ملنے آئے اور صدر عبدالسلام عارف کا سلام پہنچایا۔ سفیر نے بتایا کہ صدر کو میری صحت کی بڑی فکر ہے۔ اس کے علاوہ بھی کوئی بات جسے وہ پورا کر سکتے ہوں، ہو تو ضرور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتایئے۔ انہوں نے بتایا۔ صدر عبدالکریم قاسم نے صدر عبدالسلام عارف کو جیل میں ڈالا تھا تو اس وقت وہ ''فی ظلال القرآن'' سے جیل کی تنہائی دور کرتے تھے۔ میں نے ان کی آمد پر شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر صدر محترم مناسب خیال کریں تو اپنی کوششیں بروئے کار لا کر اخوان کے دیگر تمام افراد کی رہائی پر زور دیں۔ سفیر محترم نے وعدہ کیا اور اجازت چاہی۔

عرب سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں صدر عبدالسلام عارف بھی شریک ہوئے۔ اس موقع پر میں نے انہیں شکریے کا تار بھیجا جس کا جواب انہوں نے خط کے ذریعے دیا، مگر وہ خط مجھ تک نہ پہنچنے دیا گیا۔ مجھے اس کا بعد میں اس طرح علم ہوا کہ وہی سفیر جو، اب وزیر تعلیم ہو چکے تھے، مجھ سے ملنے آئے اور صدر کا ایک تحفہ بھی ساتھ لائے ان سے معلوم ہوا کہ صدر نے مجھے خط لکھا تھا۔ میں نے صدر کو اپنی کتابوں کا تحفہ بھیجا۔ ایک مجموعہ وزیر محترم کو بھی دیا۔

رہائی کے بعد عراقی اپیل کورٹ کے جج ضیاء شیت خطاب بھی مجھ سے ملنے آئے تھے۔ انہوں نے بھی صدر کی وساطت سے میری رہائی پر لوگوں کی خوشی کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ عبدالسلام عارف دین دار گھرانے کے فرد ہیں اور خود بھی دین دار ہیں۔ پھر ان کے بھانجے جن کا نام شاید حازم تھا، میرے پاس آئے اور اپنے ماموں محمود شیت خطاب کا سلام پہنچایا۔ ان کی ایک تصنیف بھی دی، جس کا نام تھا ''محمدؐ: قائد''۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور کچھ کتابیں تحفتہً دیں۔

چھ ماہ ہوئے سعودی ریڈیو کا ایک رجسٹرڈ خط، جس کے ساتھ 13 پونڈ کا چیک بھی تھا، موصول ہوا۔ خط سے معلوم ہوا کہ یہ رقم مجھے میری تفسیر کے اقتباسات پر مشتمل ریڈیائی پروگرام کے بدلے میں بھیجی جا رہی ہے۔ جو شعبان سے رمضان تک (1385ھ) قسط وار نشر ہوا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ سعودی ریڈیو میری کتاب کے اقتباسات کئی سال سے نشر کرتا رہا تھا۔ میں نے حکومت مصر سے رابطہ قائم کر کے پوری تفصیل سنا دی، تاکہ بدگمانی پیدا نہ ہو۔ متعلقہ افسر نے میرا تحریری بیان لیا اور مجھے معاوضہ طلب کرنے میں حق بجانب قرار دیا۔

اس کے بعد میں نے وہ رقم بھی وصول کی اور سعودی وزیر اطلاعات و نشریات کو خط بھی لکھا کہ میرا اور بھی معاوضہ آپ لوگوں کے ذمہ ہے، وہ بھی مجھے ملنا چاہیے۔ اس خط کی ایک کاپی حکومت کو بھیج دی، مگر سعودی وزیر نے جواب نہ دیا۔

اسی برس قاہرہ میں علماء کی کانفرنس ہوئی۔ عالم اسلام کے نمائندے اس میں شریک ہوئے۔ الجزائر کے نمائندے نے زینب الغزالی کے گھر سے مجھے ٹیلی فون کر کے وقت لیا اور پھر ملنے آئے۔ انہوں نے ان نظریاتی لہروں کا تذکرہ کیا جو الجزائر کے حالات اور اسلام سے وابستگی پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ انقلاب کامیاب ہی اسلام کے نام پر ہوا ہے۔ قوم اسلام سے وابستگی رکھتی ہے، مگر اس کے تقاضوں سے ناواقف ہے، کیونکہ مغربی اقدار نے بڑی کوشش کی کہ یہ قوم اپنے عقیدے سے غافل اور اسلام سے دور رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیّد قطبؒ کی ڈائری

قیادت کرنے والے طبقے کے ذہن میں مغربی کلچر اور مارکسی معاشی تصورات کچھ ایسے بیٹھے ہیں کہ جذبات اسلام کے ساتھ ہیں لیکن دماغ ان نظریات کے ساتھ۔ قوم کو بھی وہ اس رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ مقابلے میں اسلامی فکر موجود نہیں کیونکہ علماء، مشائخ اور واعظ روایتی باتیں اور پرانے مسئلے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ اس طرح باطل نظریات کا مقابلہ ممکن ہی نہیں۔ خطرہ ہے، قوم یا تو اسلام کو ان چیزوں کے ساتھ گڈمڈ کر دے یا پھر اسلام سے دور ہو جائے۔ (الجزائر میں اس وقت بن باللہ کی حکومت تھی۔ پھر بومدین انقلاب لائے اور ملک میں سوشلزم کی طرف مزید پیش قدمی ہونے لگی)

ان کے استفسار پر میں نے ''کمیونسٹ نظریات کے مقابلے میں تین کتابوں سے مدد لینے کا مشورہ دیا۔

1۔ اسلام کا اجتماعی عدل

2۔ عالمی امن اور اسلام

3۔ اسلام اور سرمایہ داری کا معرکہ

ان کے علاوہ اس موضوع پر استاد ابوالاعلیٰ مودودی کی تصانیف دیکھنے کی بھی تلقین کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ کتابیں تو عربی دان حضرات کے لیے مفید ہوں گی جو وہاں گنے چنے ہیں۔ دراصل وہ چاہتے تھے کہ میں بہت اختصار سے ایک خاکہ سا بنا دوں جس میں اسلامی عدل اجتماعی کے اہم نکات آ جائیں۔ پھر وہ اسے فرانسیسی میں منتقل کروا لیں گے۔ اس طرح وہاں کے تعلیم یافتہ افراد تک یہ باتیں پہنچ سکیں گی۔ میں نے وعدہ کر لیا تھا کہ ایسے نکات لکھ دوں گا مگر پھر وہ یکایک قاہرہ سے چلے گئے۔

میرے نام خطوط اور تار بھی آئے۔ اگرچہ ان میں سے زیادہ تر مبارک باد پر مشتمل ہوتے جیسے ندوۃ العلماء لکھنو یا جماعت اسلامی کراچی کی طرف سے غلام محمد کا تار (چونکہ ابوالاعلیٰ مودودی گرفتار تھے اس لیے کراچی کی جماعت نے تار بھجوایا) اور ایک خط لکھنے والے کوئی صدیقی تھے۔ (ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کی طرف اشارہ ہے)۔

پاکستان کا تار پڑھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سمجھے ہیں کہ اخوان کے سب لوگ رہا ہو گئے، حالانکہ صرف میری رہائی ہوئی تھی۔ بہرحال انہوں نے مجھے مبارک باد دی کہ دس برس کی قید کا سلسلہ ختم ہوا۔ البتہ یہ ہے کہ بھارت کی بت پرست قوم کا لیڈر اپنے مخالفوں کو جیل بھیجتا ہے نہ سزائیں دیتا ہے مگر مسلم حکمران اس وسعت قلبی اور رواداری سے دور ہو گئے ہیں۔ مسلمان کا اصل محافظ تو خدا ہے خواہ وہ قیدی ہے یا آزاد۔ ان خطوں کا جواب دیتا مگر اس مہلت ہی سے محروم کر دیا گیا۔ ہندو پاک سے اور بھی خط آئے جو رکھے رہے، پھر وہ ضائع بھی ہو گئے۔ باہر سے میرا تعلق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے زیادہ تھا۔

دوسری تنظیموں اور افراد سے اخوان کے تعلقات

جب میں راس البر میں ٹھہرا ہوا تھا، علی عشماوی ملنے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ زکریا محی الدین نے ''بعض اخوان سے کہا کہ سرکاری جماعت ''یونائیٹڈ سوشلسٹ پارٹی'' میں دین پسندوں کو آنا چاہیے، تاکہ کمیونسٹوں کو پارٹی پر چھا جانے سے روکا جا سکے۔ اس سلسلے میں زکریا مرشد حسن ہضیبی سے بھی ملے ہیں۔ یہ بھی امید ہے کہ اخوان کو بحال کر دیا جائے۔ یہ سب کن حلقوں سے ہو رہا ہے، اس کا علم نہیں۔ میں نے علی سے کہا کہ ان افواہوں کو زیادہ نہ سمجھئے دراصل حلوان میں نوجوانوں کے لیے ایک کیمپ لگایا گیا تھا جو تین ہفتے کا تھا۔ اس کا مقصد نوجوانوں کو سیاسی، فکری اور علمی تربیت دینا بھی تھا، اور تفریح مہیا کرنا بھی۔ اس طرح حکومت کے لیے ان کی وفاداریاں حاصل کی جاتیں۔ مگر وہاں زیادہ تر مقررین کمیونسٹ ذہن کے تھے اور سوشلزم کو اسلامی عقیدے کے ساتھ پیوند کاری کر کے اپنے افکار پھیلا رہے تھے۔ بعض نے اسلام پر تنقید سے بھی گریز نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نوجوانوں میں بے چینی اور بیزاری پھیلنے لگی۔ تب زکریا محی الدین وہاں گئے اور نوجوانوں سے کہا کہ ہماری حکومت کمیونسٹ نہیں، مقررین نے حکومت کی ترجمانی نہیں کی بلکہ وہ ان کے ذاتی خیالات ہیں۔ ان مقررین میں استاد کمال ابوالمجد بھی تھے جو اسلامی ذہن رکھتے تھے۔ زکریا محی الدین نے کہا کہ وہ سوشلسٹ پارٹی کے اندر دینی فکر پھیلائیں۔

مجھے تو یہ سارا قصہ میرے گاؤں کے ایک نوجوان سے معلوم ہوا تھا جو حلوان میں آیا تھا اور اسیوط کے ٹیچر ٹریننگ کالج میں استاد تھا اور اس کیمپ کے لیڈروں میں سے تھا۔ یہ نوجوان (شاذلی) وہاں کی گئی تقریریں اپنے پاس محفوظ کیے ہوئے تھا۔ میں نے ان تقریروں پر ایک نظر ڈالی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ان میں کمیونزم چھپائے نہیں چھپ رہا۔ سوشلزم بھی کہتے ہیں بلکہ سوشلزم کی آڑ بھی لی جا رہی ہے حتی کہ وہاں کے نظام کو عربی سوشلزم بھی کہتے ہیں یعنی سوشلزم کی عربی نقل بتاتے ہیں مگر اصل نمونہ کارل مارکس کا کمیونزم ہے۔ مصر میں جو یہ تجربہ نافذ ہو رہا ہے، وہ مرحلہ وار اسی کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اس نوجوان نے ایک بات اور بھی کہی۔ وہ یہ کہ نوجوان اسلامی تعلیمات اور اسلامی تربیت سے یکسر بے بہرہ ہیں۔ ان کے دل مومن ہیں مگر ذہن خالی۔ اسلامی عقیدے پر چوٹ لگتی ہے تو وہ بھڑک اٹھتے ہیں۔ مگر یہ تقریریں اس وقت کامیاب ہو جائیں گی جب ان میں اسلام سے وابستگی کا اعلان بھی ہوتا رہے اور افکار غیر اسلامی پھیلا دیے جائیں۔ پھر جذبات تو مسلمان ہوں گے مگر افکار نہیں۔

مجھے اس کا یہ تجزیہ بالکل صحیح اور برمحل لگا، خصوصاً اس لیے بھی کہ کیمپ مکمل طور پر سوشلسٹ رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ رہی سہی کسر اخلاقی پستی اور ذہنی آوارگی نے پوری کر دی۔ اس کی مثالیں مصری ہفت روزہ جریدوں 'طلیعہ'' ''کاتب'' ''روز الیوسف'' ''صباح الخیر'' میں دیکھی جا سکتی ہیں جو وہاں کی کارروائی چھاپ رہے تھے۔ اب جب سارا ماحول ایک نظریے کے حق میں اور ساری پرکشش چیزیں اس سے وابستہ ہوں تو اس کے مقابلے میں عقیدہ اور اسلامی تعلیمات بوسیدہ خیالات کے طعنوں سے تاثیر اور اہمیت کھو بیٹھیں گی اور مقابلہ برابری کا نہیں ہوگا۔ اس طرح کامیابی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مادہ پرستوں اور الحادی طاقتوں اور اخلاقی بے راہ روی کو ملے گی اور وہ پھر حکومت کو بھی اسی طرف نکالیں گے۔

اخوان کے علاوہ دوسروں سے تعلقات

1960ء کے آخر کی بات ہے۔ میں لیمان طرۃ جیل میں تھا اور میری صحت بگڑتی جا رہی تھی۔ جیل ہسپتال کے علاج سے بھی فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حاجی حسین صدقی ایک صاحب معادی میں رہتے ہیں، میرے بھائی انہیں جانتے ہیں، وہ میری بیماری سے بہت پریشان ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ میرا علاج کسی یونیورسٹی کے ہسپتال میں ہو۔ ادھر میری حالت اور خراب ہونے لگی تو جیل سے مجھے منیل یونیورسٹی کے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ وہاں یہ پتہ چلا کہ میری تکلیف کا سبب دل کی تکلیف (انجائنا) ہے۔ جیل ہسپتال میں اتنے آلات نہ تھے اس لیے وہاں اس کا پتہ نہ چل سکا۔ پھیپھڑوں پر بھی سوجن تھی، آنتوں میں ورم تھا اور کئی امراض پیدا ہو گئے تھے۔ اس ہسپتال میں دوبارہ چھ ماہ کے لیے مجھے رکھا گیا، پھر واپس جیل میں آنے پر طبیعت بہت بگڑ گئی۔ تو خرابی صحت کی بنا پر رہا کر دیا گیا۔

گھر پر حاجی حسین صدقی اور ان کے اہل خانہ مجھے مبارکباد دینے آئے۔ انہوں نے شیخ اودن کا ذکر کیا جو میری بیماری کے بارے میں ہر وقت پوچھتے رہتے تھے۔ ان دنوں ان کی کمر میں درد ہے، اس لیے وہ خود نہیں آ سکے۔ حاجی صاحب نے بتایا کہ وہ بہت ہی متقی اور صحابہ کا نمونہ ہیں۔ میں نے کہا میں ان سے خود جا کر ملوں گا۔ زینب الغزالی سے میری ملاقات بھی حاجی صاحب کے گھر پر ہوئی تھی۔ ہم سب لوگ حاجی صاحب کی گاڑی میں شیخ سے ملنے گئے۔

اس کے بعد شیخ سے دو تین بار ملنے کا موقع ملا۔ ایک ملاقات تنہائی میں ہوئی۔ شیخ اس بات پر بہت افسوس کا اظہار کر رہے تھے کہ نوجوان دین سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ ان میں اخلاقی گراوٹ بہت بڑھ گئی ہے۔ میں نے کہا "شیخ! آپ اطمینان رکھئے۔ ابھی اچھے ایسے نوجوان ہیں جو اس امت کے پاسبان ہیں۔ وہ دین کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں اور ان کے اخلاق بلند ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ وہ مجھ سے ملتے رہتے ہیں اور میرے مشورے بھی قبول کر لیتے ہیں۔ شیخ نے بہت خوشی کا اظہار کیا کہ اللہ آپ سے یہ کام لے۔ آپ نے مجھے مطمئن کر دیا۔ میرے لیے دعا کی۔

انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں نے شیخ حسن البناء سے کہا تھا کہ سیاست میں دخل نہ دیں بلکہ نئی نسل کو اسلام سے جوڑو اور ان کی ایسی تربیت کرو کہ وہ اسلام کو معاشرے میں متحرک کر دیں۔ مگر افسوس! سیاسی حوادث نے انہیں مہلت نہ دی۔ اخوان پر کیا کیا آفتیں نہ آئیں۔ اب میدان خالی ہے۔ اخلاقی قدروں کا کوئی محافظ نہ رہا اور نوجوان نسل اسلام سے برگشتہ ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے ان سے کہا "شیخ! ایسی بات بھی نہیں۔ دین کے علمبردار میدان سے ہٹے نہیں اور اخوان نے اپنا فرض بھلایا نہیں"۔

آخری پکار

میں نے جو کچھ کہا ہے ترتیب وار اس کا خلاصہ یہ ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1۔ 1954ء میں ایک سازش تیار کی گئی، جس کا نشانہ اخوان بنے اور ان پر سخت دور گزرا جب کہ وہ اس سازش میں شریک نہ تھے نہ اس حادثے کے ذمے دار۔ ان پر ظلم کیا گیا۔ وہ گروہ در گروہ اس الزام میں پکڑے گئے کہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں اور دوسرے ملکوں کے لیے جاسوسی کرتے ہیں۔ ان کے گھر اجاڑ دیے گئے اور سزاؤں کا طویل سلسلہ چل نکلا۔ چنانچہ اخوان کے اندر اس قسم کی سوچ رکھنے والے ابھرے کہ اس کا جواب تشدد سے دیا جائے تا کہ آئندہ ایسے واقعات نہ دہرائے جائیں۔

2۔ الاخوان المسلمین اور دیگر اسلامی تحریکات کو ختم کرنے کی سازش صیہونی اور صلیبی استعمار پسندوں کی تیار کردہ تھی۔ وہ مسلمانوں میں جو عقائد سے دوری اور اخلاقی فساد دیکھنا چاہتے تھے، وہ تحریکات کو ختم کر کے ہی آ سکتے تھے۔ 1954ء میں ان کی سازش کامیاب ہوگئی اور اگر اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش نہ کی گئی تو ایک بار پھر یہ طاقتیں وار کریں گی خواہ اسلامی تحریکات کو دبانے کا نام دیں یا کچھ اور۔ تحریکات غلطیاں کر سکتی ہیں اور ہوتی ہوں گی مگر الحاد اور اخلاقی زوال کے راستے کی رکاوٹ بھی یہی تحریکات تھیں ورنہ لادینیت کا جو سیلاب اتاترک کی کوششوں سے آیا تھا، شرق اوسط بھی اس کے بہاؤ میں تھا اور کوئی بند باندھنے والا نہ تھا۔

3۔ 1954ء میں جیسے ہی اخوان میدان سے ہٹا دیے گئے الحاد اور اخلاقی گراوٹ نے معاشرے کو تیزی سے اپنی لپیٹ میں لینا شروع کیا۔ آئندہ اخوان کو نشانہ بنایا جا رہا تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا بھیانک نتائج دیکھنے میں آئیں گے۔ اس لیے مسئلے میں دوراندیشی کی ضرورت ہے۔ اسے جماعتی، علاقائی، ملکی، حکومتی مسئلہ بنا کر اس کی اہمیت ختم نہ کی جائے۔ یہ اخلاق کے تحفظ کا مسئلہ ہے۔ یہ پوری انسانیت کی بقا کا مسئلہ ہے۔ خود یہ حکومت انقلابی دعوؤں کے ساتھ برسر اقتدار آئی ہے اور اسے عمل سے ثبوت دینا ہے۔ قوم کی امیدیں اس سے وابستہ ہیں۔ اس کے لیے بھی وہ افراد معاون ہوں گے جو بلند اخلاق رکھتے ہوں، صاحب کردار ہوں، عقیدے کے وفادار ہوں۔ یہ ہے اصل طاقت جس کے سہارے کوئی نظام نہیں چلتا ہے۔ سرحدوں کا تحفظ اس وقت کوئی معنی نہیں رکھتا جب فوج کردار میں شکست کھا جائے۔ ہمارا دشمن سے اصل مقابلہ دین کا ہے اور اس کے لیے نعرے کافی نہ ہوں گے، عمل چاہیے۔

4۔ لوگ اکثر ہم سے پوچھتے ہیں کیا ایک تم ہی مسلمان ہو؟ اسلامی کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ مسجدوں میں نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔ ہر سال حج ہوتا ہے، لوگ جاتے ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی سے دینی پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔ پھر اور کیا چاہیے؟ کیا سب کافی نہیں؟

میں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام ان ساری باتوں سے زیادہ وسیع تر اور ہمہ گیر ہے۔ وہ پوری زندگی کا مکمل ضابطہ ہے اور اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب افراد کی تربیت کر کے انہیں اسلام کا نمونہ بنایا جائے کہ معاشرہ اسلام کو اپنائے۔ اس کے بعد نظام حکومت بھی اسلام کے تابع ہو جائے گا۔ اسلام میں مجرد فلسفہ ہے نہ صرف افکار کا نام، جسے پھیلا دیا جائے مگر سننے والے نہ تربیت کے مرحلوں سے گزریں نہ ان افکار کو عمل سے جلا ملے اور نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوانین میں اسے اپنایا جائے۔ اسلام کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے صحیح نتائج نہیں نکل سکتے۔

اس زمانے میں الاخوان المسلمین کی تحریک اسی کام کے لیے اٹھی تھی اور وہ کامیابی کے ساتھ یہ محاذ سنبھالے ہوئے تھی۔ اس نے تربیت سازی کے ذریعے جو افراد تیار کیے، وہ نمونہ تھے۔ اس میں غلطیاں بھی ہوں گی مگر یہ غلطیاں اس تجربے کو یکسر رد نہیں کر سکتیں۔ وسائل میں غلطی ہو تو مقصد غلط نہیں۔ پھر ان غلطیوں تک پہنچانے میں ان کا بھی ہاتھ ہے جنہوں نے اخوان کے ساتھ ایسا سلوک کیا اور انہیں اپنی سوچ دوسری طرف موڑنے کا موقع دیا۔

1952ء میں خود میں نے پوری کوشش کی کہ انقلابی جماعت کے حلقے میں تربیت سازی کا کام کروں۔ نوجوانوں کو جمع کر کے محنت شروع کی اور بڑے اچھے نتائج نکلنے لگے مگر انقلابی حکومت میں آگئے نیا نظام آ گیا، حکومت کا نشہ ہونے لگا۔ امریکہ نواز جمعیت فلاح نے ایسے حالات پیدا کیے کہ ان کوششوں پر پانی پھر جائے۔ حکمرانوں کے آس پاس مفاد پرستوں کا ایسا ٹولہ جمع ہوا، جسے یہ کوشش اچھی نہ لگی، حکمرانوں کو اس کی اہمیت کا احساس نہ تھا۔ غرض وہ تنظیم ٹھپ ہو گئی۔ اس کے بعد صرف الاخوان المسلمین سے کچھ امید کی جا سکتی تھی کیونکہ وہی اس ذمہ داری کو سنبھالے ہوئے تھے۔

اسلام کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کسی ملک میں اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک وہاں تربیت سازی نہ ہو جائے اور اس کام کے لیے باقاعدہ ایک تحریک برسرعمل نہ ہو کیونکہ حکومتیں اپنے مفادات کی وجہ سے اس پہلو سے غافل ہیں بلکہ بعض دفعہ رکاوٹ بنتی ہیں لیکن جب ایسے افراد بڑھیں گے تو شریعت ہر معاملے میں رہنمائی کرے گی اور حکومت بھی اس کے تحت آ جائے گی۔

یہ باتیں وہ شخص لکھ رہا ہے جو اللہ کے پاس جانے والا ہے اور اس کی پوری کوشش اور خواہش ہے کہ وہ اخلاق کا دامن تھامے رہے اور اس کا ضمیر مطمئن ہو جائے کہ اس نے دعوت پہنچا دی اور اس کام سے آخری لمحے تک غافل نہ رہا۔ جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلامتی ہو۔

(سید قطب، فوجی جیل، ۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۵ء)

شیخ عمر تلمسانیؒ

مصر کی اسلامی تحریک کے قائدین شیخ حسن البنا شہید، مفتی محمد عبدہ، علامہ رشید رضا، شیخ حسن الہضیبی، سیدہ زینب الغزالی اور سید قطب شہید کے حالات و خدمات پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ تین بزرگ اور بھی ہیں جن کے تذکرے کے بغیر یہ بیان ادھورا رہے گا۔ شیخ عمر تلمسانی، سید محمد حامد ابوالنصر اور جسٹس عبدالقادر عودہ شہید۔

نومبر 1973ء میں الاخوان المسلمین کے مرشد عام شیخ حسن الہضیبی کی وفات سے اخوان کی صفوں میں ایک ایسا خلاء پیدا ہو گیا تھا، جس کا پر ہونا ناممکن نظر آتا تھا۔ اخوان کے مخالفین طنزاً یہ کہتے تھے کہ وہ دن دور نہیں جب اخوان کا تذکرہ صرف کتابوں تک محدود ہو کر رہ جائے گا، گلیوں میں اور بازاروں میں اس کے اثرات اب ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے عمر تلمسانی کی شکل میں اخوان کو حسن الہضیبی کا ایسا نعم البدل عطا کیا جس نے تقریباً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیرہ برس اخوان کی قیادت کی اور اس جواں فکر بوڑھے نے حقیقی معنی میں اس متوقع بحران پر قابو پالیا، جس کا انتظار اخوان کے مخالفین مدتوں سے کررہے تھے۔ عمر تلمسانی مصر کی سماجی، سیاسی اور مذہبی زندگی میں محبت و الفت کی ایک علامت تھے۔ آپ کا یہ کارنامہ کیا کم ہے کہ بیماری کے باوجود آپ نے اسلام پسند طلبہ اور دینی و سیاسی حلقوں کو ایک پلیٹ فارم پر لاکھڑا کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے جنازے میں چھ لاکھ کے قریب افراد نے شرکت کی۔ ان میں صدر حسنی مبارک کے ذاتی نمائندے، وزراء، سفراء، وزیر اعظم ڈاکٹر علی لطفی، تمام سیاسی و دینی جماعتوں اور تنظیموں کے رہنما بھی شامل تھے۔ تین لاکھ کی تعداد میں تو صرف طلبہ شامل تھے اور جنازے کے جلوس میں پندرہ ہزار کاریں شامل تھیں۔ قاہرہ ایئرپورٹ اس دن دنیا کا مصروف ترین ایئرپورٹ تھا، جہاں ٹریفک کنٹرول کرنے کے لیے حکومت کی پوری مشنری کو خصوصی انتظامات کرنے پڑے تھے۔ سوڈان، اردن، سعودی عرب، خلیجی ریاستوں، شام، جرمنی، انگلستان اور فرانس وغیرہ سے شیخ کے دیوانے آخری دیدار، ان کی نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لیے امڈے چلے آرہے تھے۔

شیخ عمر تلمسانی 4 نومبر 1904ء کو قاہرہ کے ایک ممتاز علمی و ادبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد الجزائر کے ایک قصبے تلمسان کے رہنے والے تھے۔ 1835ء میں فرانسیسی استعماریت پسندوں نے جب الجزائر کو اپنی کالونی بنایا تو آپ کے دادا عبدالقادر پاشا تلمسان سے ہجرت کر کے قاہرہ میں مقیم ہو گئے۔ تلمسان الجزائر کا وہ قصبہ ہے، جو اپنے عوام کی بہادری کے سبب بین الاقوامی شہرت رکھتا ہے۔ اس قصبے کے باشندوں نے 1835ء میں فرانسیسی افواج کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔ فرانسیسی افواج کو سب سے زیادہ مزاحمت کا سامنا تلمسان میں کرنا پڑا تھا۔ آج بھی پیرس کے قومی عجائب گھر میں تلمسان کے بہادر اور غیور عوام سے چھینے ہوئے ہتھیاروں کا خاصا بڑا ذخیرہ برائے نمائش موجود ہے۔ تلمسانیوں کا یہ کردار کہ باطل کے آگے گردن نہیں جھکانی ہے، عمر تلمسانی کی پوری زندگی اس کردار سے عبارت ہے۔

عبدالقادر پاشا تلمسانی کا خاندان قاہرہ میں تقریباً 70 برس مقیم رہا۔ 1907ء میں شہر کے ہنگاموں سے تنگ آکر وہ ضلع تلیوبیہ کے ایک گاؤں ''نوی'' میں اپنی جاگیر پر چلے گئے۔ قاہرہ میں آپ نے اپنی تمام جائیداد کرائے پر اٹھا دی۔ کبھی کبھار اس جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے قاہرہ آیا کرتے تھے۔ اپنی دین داری، مطالعۂ کتب اور سخاوت میں پورے ضلع کو جانی پہچانی شخصیت تھے۔ انہیں محمد بن عبدالوہاب سے گہری عقیدت تھی۔ حج کے زمانے میں آپ محمد بن عبدالوہاب کی تصانیف شائع کر کے مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ شیخ عمر تلمسانی کے بقول: ''آج بھی سعودی عرب کے کتب خانوں میں میرے دادا کی طبع شدہ کتب موجود ہیں''۔

آپ کے دادا کا رابطہ اپنے زمانے کے جید علمائے دین سے رہتا تھا۔ خاص طور پر علمائے الازہر سے آپ کے نہایت گہرے اور قریبی تعلقات تھے۔ جامعہ الازہر کے علماء اکثر بعض دینی و سیاسی امور پر مشاورت کے لیے ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ ان مجالس میں محمد بن عبدالوہاب کی تعلیمات اور وہابی تحریک کے اثرات پر بحث ہوتی تھی۔ شیخ عمر تلمسانی اپنے دادا کی ان مجالس میں اکثر شریک ہوتے تھے، جس کا فائدہ ان کو یہ پہنچا کہ ایک طرف ان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقیدت محمد بن عبدالوہاب سے بڑھتی گئی اور دوسری طرف بلند پایہ علمی و دینی شخصیات کے درمیان بحث مباحثہ کے سبب ان کے اندر دین فہمی کا شعور پیدا ہوتا گیا۔ شیخ عمر تلمسانی کی شخصیت بنانے میں جامعہ الازہر کے علماء کے علاوہ ان مجالس کے مذاکرات نے بھی مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ تحمل اور بردباری گویا اس مذاکرات کا خاص وصف تھا۔ ان کے نقوش آخری وقت تک آپ کی زندگی پر حاوی رہے۔ چنانچہ مصر میں مختلف مسالک سے وابستہ علماء کے درمیان اتحاد کے لیے ان کی کوششیں اسی تربیت کا حصہ ہیں۔ اسی طرح شیخ جب نوجوان طلبہ میں بیٹھتے تو ان کی تیز و تند، جوشیلی گفتگو اور اعتراضات سن کر کبھی نہ گھبراتے، بلکہ ان کی باتیں سن کر آخر میں نہایت تحمل سے اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ ان کی رائے اتنی صائب ہوتی تھی کہ مخالفین کے تمام اعتراضات وہیں دم توڑ دیتے اور دوستوں کے دل میں آپ کا احترام پہلے سے بڑھ جاتا۔

عمر تلمسانی نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے ایک مدرسے ''سیدی علی'' میں حاصل کی۔ وہیں قرآن مجید حفظ کیا۔ مزید تعلیم قاہرہ کے سیکنڈری سکول میں حاصل کی۔ حسن البناء ہی کی طرح آپ نے دوران تعلیم 1919ء کے انگریزوں کے خلاف احتجاجی مظاہروں میں شرکت کی۔ یہ احتجاجی مظاہرے سعد زاغلول پاشا کی اپیل پر انگریزوں کے خلاف شروع کیے گئے تھے۔ کالج کے زمانے میں تفسیر زمخشری، تفسیر ابن کثیر، تاریخ ابن ہشام، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مطالعہ کیا۔ 1923ء میں دوران تعلیم آپ کی شادی ہوئی۔ اسی سال والد کا انتقال ہوا۔ اسی سال آپ نے قاہرہ کے لا کالج میں داخلہ لیا۔ 1931ء میں اپنی علیحدہ پریکٹس کا آغاز کیا۔ طالب علمی کے زمانے سے لے کر 1932ء تک آپ کی ہمدردیاں وفد پارٹی کے ساتھ تھیں۔ آپ وفد کے پروگرام اور طریق کار سے مکمل اتفاق رکھنے کے باوجود بھی ان کے رکن نہ بن سکے۔ غالباً اس کا واحد سبب یہ تھا کہ ابھی آپ نے باضابطہ سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی عملی زندگی کے تقاضے آپ پر واضح تھے۔

1931ء میں پہلی دفعہ آپ نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے پارلیمنٹ کے انتخابات میں حصہ لیا اور شکست کھائی۔ اس کے بعد بھی آپ نے انتخابات میں حصہ لیا اور شکست کھائی۔ ان دو ناکامیوں کا سبب یہی تھا کہ آپ کسی جماعت سے باضابطہ منسلک نہیں تھے۔ الاخوان المسلمین میں شمولیت سے پہلے آپ الاہرام، الرسالۃ، الجہاد، المصور، الطائف اور التجارہ وغیرہ کے باقاعدہ قاری تھے۔ 1933ء میں آپ الاخوان المسلمین میں شامل ہوئے اور پھر مرتے دم تک اسی جماعت سے وابستہ رہے۔

الاخوان المسلمین

شیخ عمر تلمسانی اپنی یادداشتوں میں الاخوان المسلمین میں شمولیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ 1933ء کے اوائل کی بات ہے۔ جمعہ کا دن تھا اور میں اس وقت پھولوں کی کیاری میں بیٹھا ہوا تھا۔ فارم کے چوکیدار نے آکر بتایا کہ دو اپ ٹو ڈیٹ قسم کے افراد مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ میں نے اپنے اہل و عیال کو زنان خانے میں چلے جانے کا اشارہ کیا اور چوکیدار سے کہا کہ مہمانوں کو اندر لے آئے۔ دونوں نوجوان اندر آئے اور اپنا تعارف کرایا۔ ایک تو عزت محمد حسن اور دوسرے محمد عبدالعلی۔ اول الذکر ''شبین القناطر'' کے مذبح خانے میں ملازم تھے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے صاحب ڈپٹی ریلوے اسٹیشن پر اسٹیشن ماسٹر۔ مہمانوں کے استقبال اور مدارات میں کچھ وقت گزرا۔ چائے پی چکے تو عزت محمد حسن نے سکوت توڑتے ہوئے پوچھا: "آپ یہاں کیا کرتے ہیں؟"

یہ سوال مجھے عجیب سا لگا اور میں نے دخل اور معقولات سمجھا، مزاح کے انداز میں جواب دیا: "میں یہاں چوزے پالتا ہوں"۔ میرے مزاحیہ جواب سے مہمانوں کے اعصاب پر کوئی غیر معمولی اثر نہ ہوا۔ یہ جواب سن کر عزت محمد حسن نے کہا: "آپ جیسے نوجوانوں کے لیے چوزے پالنے سے زیادہ اہم کام منتظر ہیں"۔ میں ابھی گفتگو سنجیدگی کے بجائے مزاح ہی کے موڈ میں سن رہا تھا۔ سو میں نے اس انداز میں سوال جڑ دیا: "چوزے پالنے سے زیادہ اہم کام کیا ہو سکتا ہے"۔ مہمان کا جواب سنجیدگی میں ڈوبا ہوا تھا: "مسلمان آپ کی توجہ کے مستحق ہیں جو اپنے دین سے دور ہٹ گئے ہیں اور اس غفلت نے انہیں اتنا بے وقعت کر دیا ہے کہ ان کے اپنے وطن میں بھی ان کا کوئی وزن اور کوئی عزت نہیں رہی اور اقوام عالم کے درمیان تو ان کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے"۔ میں نے کہا: "میں اس معاملے میں کیا کر سکتا ہوں۔ میری بساط ہی کیا ہے"۔ "مہمانوں نے بتایا کہ آپ اس میدان میں تنہا نہیں ہیں، بلکہ آپ جیسے نوجوانوں کی ایک تنظیم بن چکی ہے اور ایک عظیم شخص سید حسن البنا، اس تنظیم کے رہنما اور مرشد عام ہیں۔

چند روز کے بعد وہ دونوں نوجوان میرے دفتر میں تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ سید حسن البناء سے میری ملاقات کا پروگرام بن چکا ہے۔ مرشد عام قاہرہ میں شارع الیکینہ ہرخیامیہ کے علاقے میں محلہ عبداللہ بک میں رہتے ہیں۔ میں ٹھیک وقت پر مرشد عام کے دروازے پر پہنچ گیا۔ میں نے چھوٹی دار کنڈی کھمائی اور بڑا دروازہ کھل گیا۔ میں نے دستک دی اور جواب میں ایک آواز سنائی دی: "کون؟" میں نے کہا: "عمر تلمسانی ایڈووکیٹ"۔ وہ شخص اوپر کے کمرے سے نیچے اترا اور میرا استقبال کیا۔ پھر بیرونی دروازے سے داخل ہوتے ہوئے جو دائیں جانب کمرہ تھا، اس کا دروازہ کھولا۔ میں میزبان کے پیچھے اس کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ مجھے بالکل پتا نہ چلا کہ کمرے کے اندر کیا ہے۔ میری ظاہرہ پر شکوہ ہیبت کے باوجود اس شخص کے چہرے پر کوئی بے اطمینانی یا اضطراب نہ تھا۔ میرا میزبان ہی سید حسن البناء تھا۔ عام لوگ تو مجھے دیکھ کر دعوت حق کے فریضے کے لیے فوراً "ناموزوں" قرار دے دیتے، لیکن مرشد عام نے بڑے انہماک سے میرے سامنے اپنا پیغام اور پروگرام پیش کرنا شروع کیا ان کا پیغام اول و آخر ایک ہی تھا: شریعت کا مکمل نفاذ اور اس مقصد کے لیے عوام کی شعوری تیاری۔ عوام کے سامنے اس حقیقت کو واشگاف کر دینا کوئی خیر اور بھلائی سوائے اس کے حاصل نہیں ہو سکتی کہ شریعت ربانی کو مکمل طور پر اپنے انفرادی اور اجتماعی امور میں نافذ کیا جائے"۔

""حسن البنا نے بڑے مؤثر انداز میں اپنی دعوت پیش کی اور اس سارے کلام کو میں نے غور سے سنا۔ ان کی گفتگو کے دوران میں نے ایک دفعہ بھی قطع کلامی نہ کی۔ جب وہ اپنی بات پوری کر چکے تو مجھ سے پوچھا: "کیا آپ کا اطمینان ہو گیا"۔ قبل اس کے کہ میں زبان کھولتا، فرمانے لگے: "دیکھو، ابھی جواب مت دینا۔ آپ کے پاس پورے ایک ہفتے کی مہلت ہے۔ غور و فکر کرو۔ اپنے دل کو ٹٹولو، سوچو، اپنے دل کی رائے لو۔ میں آپ کو پکنک کی اور سیر و تفریح کی دعوت نہیں دے رہا۔ جس بات کی طرف بلا رہا ہوں، وہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ اگر آپ کا دل مطمئن ہو جائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ آپ کو شرح صدر عطا فرمائے تو بسم اللہ۔ اگلے ہفتے بیعت کے لیے آ جاؤ۔ اور اگر آپ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ پائیں، تب بھی کوئی فکر کی بات نہیں۔ میرے لیے بس اتنا ہی کافی اور اطمینان بخش ہے کہ آپ الاخوان المسلمین کے خیر خواہ اور ہمدرد بن جائیں"۔ جس ایمان افروز ملاقات میں بیٹھنے اور جس لاثانی گفتگو سے مستفید ہونے کی سعادت مجھے ملی تھی، اس کے بعد بھلا کون بیعت کرنے میں لمحہ بھر کے لیے بھی تاخیر کرتا۔ میں چلا آیا اور حسب الحکم ایک ہفتے کے بعد مقررہ وقت پر حاضر خدمت ہوا۔ اللہ پر توکل کیا اور حسن البناء کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ یہ بیعت میری زندگی کی سب سے بڑی سعادت ہے"۔

1933ء میں شیخ عمر تلمسانی نے الاخوان المسلمین میں شمولیت اختیار کی۔ تین سال بعد آپ کو سرکاری وکیل کے عہدے کی پیشکش ہوئی، جسے آپ نے مسترد کر دیا۔ اخوان میں شمولیت کے بعد بھی آپ ایک عرصے تک وکالت کرتے رہے۔ لیکن مقدمات لیتے وقت اچھی طرح چھان بین کرتے تھے۔ اگر آپ کا ضمیر مطمئن نہ ہوتا تو بڑی سے بڑی رقم بھی ٹھکرا دیتے تھے۔ آپ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مدعی کے بغیر مقدمہ لڑا جائے۔ چنانچہ آپ مدعی کو مقدمے کی پیچیدگیوں اور خرابیوں سے آگاہ کرتے تھے۔

1938ء میں الاخوان المسلمین کی پانچویں سالانہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حسن البناء نے قومی سیاست میں اخوان کی شمولیت کا اعلان کیا تو مرشد عام کے فیصلے کے مطابق آپ نے اپنے آپ کو اخوان کے لیے وقف کر دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رہی سہی وکالت بھی ختم ہو گئی۔ 1949ء میں شیخ عمر تلمسانی وزیر اعظم نقراشی پاشا کے زمانے میں پہلی بار گرفتار ہوئے۔ 1950ء میں جیل سے رہا ہوئے۔ نئے مرشد عام حسن الہضیبی کے ساتھ مل کر کام شروع کیا۔

1954ء میں جمال عبدالناصر جنرل نجیب کو اقتدار سے الگ کر کے خود صدر اور وزیر اعظم بنا تو اس نے فوراً ہی اخوان پر بھی ہاتھ ڈالا۔ وجہ یہ بتائی کہ اخوان جمال عبدالناصر کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس مہم میں حکومت نے تقریباً 80 ہزار اخوان گرفتار کیے۔ ان میں شیخ عمر بھی شامل تھے۔ تقریباً ساڑھے دس برس آپ اخوانی کارکنوں کے ساتھ مختلف جیلوں میں بند رہے اور جیل کی سختیاں اور تشدد برداشت کرتے رہے۔ آپ اس وقت الاخوان المسلمین کے "مکتب ارشاد" کے رکن تھے۔ نام نہاد عوامی کارروائی کا ڈراما رچا کر آپ کو پندرہ برس قید با مشقت کی سزا سنائی گئی۔ پندرہ برس گزرنے کے بعد بھی آپ کو رہا نہیں کیا گیا، بلکہ جمال عبدالناصر کے انتقال (ستمبر 1970ء) کے گیارہ ماہ بعد انور السادات نے دیگر اخوانیوں کے ہمراہ آپ کو رہا کیا۔

شیخ عمر تلمسانیؒ کی جدوجہد

جیل میں آپ کے ساتھ بدترین قسم کا غیر انسانی سلوک کیا گیا۔ آپ نے اس سزا کے بارے میں لکھا ہے: "مجھے جیل کی کوٹھڑی نمبر 24 میں بند کیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جیل کا نائی میرے بال کاٹنے کے لیے آیا۔ میں نے اپنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سراس کے سامنے بتا دیا کہ وہ اپنا کام کرے، مگر اس اللہ کے بندے نے میری گدی پر ایک دھول جمائی اور کہا، تتے کے بچے! زمین پر بیٹھ جا۔ جب وہ میرا سر استرے سے مونڈ چکا تو میں نے دیکھا کہ جیل کے افسر ایک لمبا موٹا اور نہایت غلیظ رسہ۔۔۔ کر میری کوٹھڑی میں آ گئے اور مجھے کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ میری رانوں کے بیچ سے لے کر سینے تک وہ رسہ نہر۔۔۔ سم کے گرد لپیٹا گیا اور مضبوط گرہیں لگا دی گئیں۔ پھر مجھے ایک کرسی پر کھڑا کیا گیا اور رسے کا ایک سرا چھت ۔۔۔ ساتھ کھونٹی سے باندھ کر کرسی میرے نیچے سے کھسکائی گئی۔ میں چھت اور زمین کے درمیان رسے سے بندھا ہوا معلق رہ گیا۔ مجھ پر نہایت غلیظ گالیوں اور سخت کوڑوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ درد سے میرا برا حال تھا، لیکن میں نے اف تک نہ کی۔۔۔ یونکہ ان درندوں کو میری چیخ و پکار سے لطف آتا تھا۔ اور میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھ پر ہنسیں۔ جب میرا جسم سن ہو گیا تو انہوں نے ایک مخصوص جگہ پر کوڑے مارنے شروع کر دیئے۔ میں نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک جگہ کوڑے برسانے کی بجائے جسم کے مختلف حصوں پر کوڑے برسائیں، مگر انہوں نے انکار کر دیا''۔

سترہ برس کی طویل نظر بندی

سترہ برس کی طویل نظر بندی کے بعد شیخ عمر تلمسانی 1971ء میں رہا ہوئے تو دوبارہ سرگرم عمل ہو گئے۔ اگرچہ الاخوان المسلمین پر پابندی بدستور برقرار رہی۔ اس کے باوجود اخوان مرشد عام حسن الہضیبی کی وفات کے بعد آپ کو اتفاق رائے سے کونسل کے ارکان نے مرشد عام منتخب کیا۔ اس وقت اخوان اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہے تھے۔ اگرچہ 1972ء میں انور السادات نے ایک خاص مقصد اور پالیسی کے تحت اخوان کی سزائیں معاف کر دی تھیں اور وہ جیلوں سے رہا ہو کر آنے لگے تھے، لیکن مسلسل نظر بندی، تشدد اور غیر انسانی سلوک نے نہ صرف یہ کہ کارکنوں کی شخصیتوں کو تباہ کر دیا تھا، بلکہ ان کے گھریلو اور خاندانی نظام کو بھی درہم برہم کر دیا تھا۔ ان حالات میں نئے مرشد عام پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں۔ ایک طرف کارکنوں کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں ایک مرکز پر اکٹھا کرنا اور دوسری طرف حکومت پر دباؤ ڈالنا کہ الاخوان المسلمین پر جمال عبدالناصر کے زمانے میں لگائی گئی غیر قانونی پابندی کو واپس لیا جائے اور الاخوان المسلمین کو باضابطہ کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ شیخ عمر نے نہایت ٹھنڈے دل ودماغ اور غیر جذباتی انداز میں الاخوان المسلمین کی پالیسیاں مرتب کیں اور مستقبل کے لیے اس انداز سے منصوبہ بندی کی کہ الاخوان المسلمین کا تربیتی نظام متاثر نہ ہو۔ اس سلسلے میں آپ نے اس حد تک احتیاط برتی کہ اخوان قوتیں نوجوان اخوانیوں کو یہ طعنہ دینے لگیں کہ اخوان نے جہاد کا راستہ چھوڑ کر حکمرانوں سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اخوانی نوجوان جذبات میں آ کر اپنی ہی قیادت کے خلاف بغاوت کر دیں یا پھر ایسی پالیسی پر عمل شروع کر دیں، جس سے تصادم ناگزیر ہو جائے۔ مرشد عام شیخ عمر اگرچہ انور السادات کی پالیسیوں کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن جذبات میں آ کر یا مخالفین کے طعنے سن کر کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرنا چاہتے تھے، جس سے حکومت کو دوبارہ اخوان پر ہاتھ ڈالنے کا موقع ملے۔ چنانچہ سادات کے پورے زمانہ اقتدار میں آپ اس کی پالیسیوں پر سخت تنقید کرتے رہے، لیکن اخلاق اور قانونی حدود کے اندر رہ کر۔ سادات نے اپنے گیارہ سالہ دور حکومت میں پہلے ۔ سال تو جمال عبدالناصر کی مذمت اور اس کی پالیسیوں پر تنقید میں ضائع کیے۔ اس ضمن میں انو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

السادات کا اندازہ تھا کہ اسے اخوان سے اخلاقی مدد ملے گی، لیکن اخوان سادات کی ان چالوں کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ سادات نے جس مقصد کی خاطر اخوانیوں کو جیلوں سے رہا کرنا شروع کر دیا، وہ مقصد پورا نہ ہو سکا۔

اخوان بلاشبہ جمال عبدالناصر کے ڈسے ہوئے تھے، لیکن وہ انور السادات کی مدد کیوں کرتے۔ آخر وہ ساتھی کس کا تھا۔ ناصرازم کی مذمت سے فارغ ہو کر انور السادات مصر کا قومی ہیرو بننے کے شوق میں اسرائیل سے الجھ بیٹھا۔ جنگ میں مصر کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شکست نے عوام اور حکومت دونوں کے لیے بے شمار نئے مسائل پیدا کر دیئے۔ ان مسائل میں ''قاہرہ یروشلم تعلقات'' کا مسئلہ سب سے زیادہ شدت سے اٹھا۔ سادات نے امریکا کے توسط سے اسرائیل کے ساتھ دوستی اور محبت کے رشتے استوار کرنے شروع کیے۔ چار سال کے طویل مذاکرات کے بعد آخر کار مصر اور اسرائیل امریکا کی وساطت سے ''کیمپ ڈیوڈ'' (1979ء) سمجھوتے پر متفق ہو گئے۔ انور السادات مشرق وسطیٰ کا پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے نہ صرف یہ کہ اسرائیل کا سرکاری دورہ کیا، بلکہ اسرائیل کے ساتھ سیاسی، ثقافتی اور تجارتی تعلقات بھی استوار کیے۔

مرشد عام شیخ عمر تلمسانی نے مصر اسرائیل تعلقات اور کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کے بارے میں عوامی اجتماعات اور ''الدعوۃ'' کے شذرات کے ذریعے انور السادات پر سخت تنقید کی۔ اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں بھی پورے ملک میں انور السادات پر لعن طعن ہو رہی تھی کہ قبطیوں کے مسئلے پر قاہرہ اور دوسرے بڑے شہروں میں فسادات شروع ہو گئے۔ اخوان اس مسئلے میں بھلا کیسے لاتعلق رہ سکتے تھے۔ قبطی مسئلے کو سلجھانے کے لیے دیگر مذہبی اور سیاسی جماعتوں کے ساتھ آپ نے بھی حصہ لیا۔ انور السادات نے، جو پہلے ہی کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر عمر تلمسانی کی شدید تنقید سے زچ تھا، ایک پبلک جلسے میں آپ کی موجودگی میں، مسلمانوں اور قبطیوں میں تعلقات خراب کرنے کی ذمہ داری آپ پر ڈالی۔ اگرچہ شیخ نے اس الزام کی تردید اسی وقت سادات کی موجودگی میں کر دی تھی اور خود انور السادات نے بھی آپ سے معافی مانگ لی تھی، لیکن اس کا ذہن اس بارے میں صاف نہیں تھا۔ چنانچہ بہت جلد ہی پندرہ سو دیگر افراد کے ہمراہ آپ کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ان گرفتار ہونے والوں میں اکثریت اخوان کی تھی۔

نومبر 1981ء میں ایک سو پندرہ دن کی نظر بندی کے بعد حسنی مبارک کے دور میں آپ رہا ہوئے۔ آپ پر نہ تو مقدمہ چلایا گیا اور نہ کوئی الزام ہی ثابت کیا جا سکا۔ ڈاکٹر کمال شانیری (سید قطب شہید کے بہنوئی) جیل میں تشدد کی تاب نہ لا کر چل بسے۔ عمر تلمسانی ابھی نظر بند ہی تھے کہ اکتوبر 1981ء میں انور السادات ویٹین گن کے برسٹ مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ انور السادات کے دور حکومت آپ اسی کوشش میں لگے رہے کہ کسی طرح اخوان کو دوبارہ کام کرنے کی اجازت مل جائے اور سادات جو اخوان کی طاقت اور اثر و رسوخ سے بخوبی آگاہ تھا، عجلت میں یا جذبات میں آ کر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا جس پر اسے بعد میں پچھتانا پڑے۔ یہی رکاوٹ صدر حسنی مبارک کے راستے میں ہے۔ آمر مطلق اس معاملے میں خاصے بزدل اور وہمی ہوتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں پروفیسر غلام اعظم کی شہریت کا مسئلہ بھی اسی لیے ایک طویل عرصے سے معلق چلا آ رہا تھا کہ اگر انہیں شہریت دے دی گئی تو کہیں پھر حکومت کا تختہ ہی نہ الٹ دیں۔ شیخ عمر تلمسانی حکمرانوں کی اس سوچ اور فکر سے مایوس نہیں تھے۔ آپ کا ردعمل جاننے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے اخبار نویس اکثر یہ سوال کرتے تھے کہ اگر اخوان پر پابندی نہ اٹھائی گئی اور انہیں جائز طریقے سے کام کرنے کی اجازت نہ دی گئی تو اخوان کا لائحہ عمل کیا ہوگا۔ 1981ء میں اخبار ''الشرق الاوسط'' کو انٹرویو دیتے ہوئے شیخ عمر نے اخوان کی پالیسی کی یوں وضاحت کی:

''اخوان کا راستہ تربیت کا راستہ ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر کوئی قدغن نہیں لگا سکتا۔ اگر ہمیں اپنے اوپر ضبط ہو اور ہم پورے اعتماد کے ساتھ راستے پر چلنا چاہیں تو کوئی طاقت ہمیں اپنے راستے پر چلنے سے نہیں روک سکتی اور اس کے نتائج ظاہر ہو کر رہیں گے۔ آپ تصور کریں کہ اگر ہر کنبے کا سربراہ اپنے کنبے کی تربیت اسلامی تعلیمات کے مطابق کرے، اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے اور اسلام کے معیار مطلوب کے مطابق ہم افراد تیار کرتے جائیں تو سوچیے، اقتدار کس کے قبضے میں ہوگا؟ ان ہی تربیت یافتہ افراد میں سے علماء، جج، فوجی افسر، وزراء، سربراہان مملکت مقرر ہوں گے اور ان شاء اللہ انقلاب آ کر رہے گا، جس کے لیے ہم کام کر رہے ہیں''۔

چنانچہ انور سادات کے دور میں آپ خاندانی تربیتی نظام کے مقاصد کو سامنے رکھ کر الاخوان المسلمین کو منظم کرتے رہے اور اس کے مثبت نتائج بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ صدر انور السادات کے قتل کے بعد آپ نے ''کسی اور نام سے'' اخوانیوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے قانونی طور پر کام کرنے کے لیے کونسل کے ارکان سے صلاح مشورے کیے۔ لیکن مسلسل بیماری اور بیرونی ممالک کے دوروں کے سبب یہ کام التوا کا شکار ہوتا گیا۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنی وفات سے چند روز پہلے صدر حسنی مبارک کو ایک نصیحت آمیز خط بھی تحریر کیا، جس میں آپ نے الاخوان المسلمین کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں، غیر منصفانہ اور ظالمانہ سلوک پر احتجاج اور اسے مصر کے آئین اور انسانی بنیادی حقوق کی سنگین خلاف ورزی قرار دیا۔

شیخ کا تیرہ سالہ دورِ امامت

آپ نے اپنے تیرہ سالہ دورِ امامت میں پہلا کام یہ کیا کہ اخوان کی پالیسی مرتب کرتے وقت ذاتی دشمنی، گروہی تعصبات اور سیاسی مخاصمت کو جگہ نہیں دی، بلکہ ہمیشہ دینی، ملکی اور قومی مفادات کو مقدم رکھا۔ ''الدعوۃ'' میں ملکی سیاسی صورت حال پر آپ کے تبصرے، انٹرویوز اور مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ آپ نے کبھی بھی کسی مخالف لیڈر کا نام لے کر یا اشارۃً ایسے الفاظ تحریر نہیں کیے، جن سے اس جماعت کے کارکنوں میں اشتعال پھیلے یا ان کی حوصلہ شکنی ہو جبکہ سادات کے دور میں قاہرہ یروشلم تعلقات کے حوالے سے کیمپ ڈیوڈ میں ملک کی عزت و ناموس کا سودا کیا گیا۔ آپ نے ایک مضمون میں کیمپ ڈیوڈ کے مشرق وسطیٰ اور مصری سیاست پر اس کے منحوس اثرات کا نہایت تفصیل سے جائزہ لیا، لیکن انور السادات کی ذات کے متعلق یا اس کے سابقہ ماضی کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کہی، جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ عمر تلمسانی ذاتی دشمنی یا ناراضگی کے سبب صدر مملکت پر اعتراض کرتے ہیں۔

آپ کی شخصیت کا ایک اور قابل ذکر پہلو یہ تھا کہ آپ نے اخوانی طلبہ کو ایک نئے پلیٹ فارم ''الجماعۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الاسلامیہ'' پر اکٹھا کیا۔ چنانچہ اخوانی طلبہ اس تنظیم کے قیام کے بعد پہلے سے زیادہ متحرک ہو کر کام کرنے لگے۔ ''الجماعۃ الاسلامیہ'' نے نہایت قلیل عرصے میں قاہرہ، الازہر، عین الشمس اور اسیوط یونیورسٹیوں میں طلبہ انجمنوں پر قبضہ کرلیا۔ پورے مصر میں اخوانی طلبہ آج ایک بہت بڑی قوت بن کر سامنے آچکے ہیں۔ طلبہ کے حقوق کے بارے میں ان کو اعتماد میں لیے بغیر حکومت کو کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ سادات کے قتل کے بعد مصر کی یونیورسٹیوں میں بے پردگی اور مخلوط تعلیم کے خلاف لہر اٹھی تھی، اس کے روحِ رواں اسی ''الجماعۃ الاسلامیہ'' کے کارکن تھے۔

آپ کی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو نفاذ شریعت کے لیے آپ کی کوششیں ہیں۔ آپ نے نفاذ شریعت کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں کے درمیان رابطہ اور اتحاد کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس رابطے کی ابتدا 1948ء کی نظر بندی کے دوران ہوگئی تھی۔ جیل سے باہر آکر آپ نے اس کام کو جاری رکھا۔ لیکن جلد ہی انتخابات کا اعلان سامنے آگیا اخوان قانونی طور پر انتخاب میں حصہ نہیں لے سکتے تھے، لیکن گزشتہ نصف صدی سے اخوان دعوت و تبلیغ کا جو کام کر رہے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ انتخابات میں ضرور حصہ لیں۔ چنانچہ آپ ہی کے تدبر سے ماضی کی حریف جماعت ''وفد'' سے اخوان کا انتخابی معاہدہ قرار پایا معاہدے کے مطابق اخوان وفد کے ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لیں گے اور وفد پارلیمنٹ کے اندر نفاذ شریعت کی کوششوں میں اخوان کا ساتھ دیں گے۔ اخوان اس کے بدلے پورے ملک میں اپنے حمایتوں سے وفد کے امیدواروں کو ووٹ لے کر دیں گے۔ اخوان کے اس فیصلے پر مخالفین نے شدید اعتراضات کئے، یاد رہے کہ اسی زمانے میں صدر حسنی مبارک نے اخوان کو یہ پیشکش کی کہ اخوان اور سرکاری پارٹی ایک جماعت میں ضم ہو جاتے ہیں، تاکہ اخوان انتخابات میں حصہ لے سکیں۔ شیخ عمر نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ اخوان نے وفد کے ساتھ مل کر انتخابات میں حصہ لیا۔ وفد نے کل 57 نشستیں حاصل کیں، جن میں 25 فی صد اخوان کامیاب رہے۔

آپ کی شخصیت کا ایک اور نمایاں پہلو یہ تھا کہ آپ نے پورے ملک میں زکوۃ کمیٹیوں کی تشکیل کی۔ آپ ایک عرصے سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ اسلامی قوانین کے نفاذ میں حکومت کی عدم دلچسپی کے سبب عوام زکوۃ جیسے اہم دینی فریضے سے غفلت کا شکار ہو رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے دیگر دینی جماعتوں کے تعاون سے محلہ وار حلقے بنا کر زکوۃ کی وصولی اور تقسیم کار کا کام شروع کیا۔ یہ سلسلہ نہایت کامیابی کے ساتھ اب تک چل رہا ہے۔ زکوۃ کمیٹیوں اور حلقوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اخوان کا پیغام گھر گھر پہنچ رہا ہے۔

اپریل 1987ء میں شیخ عمر تلمسانی کے انتقال سے یقیناً اخوانی نوجوانوں کے سروں سے شفقت کا ہاتھ اٹھ گیا، وہ اس پیرانہ سالی میں بھی نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور انہیں حسن البناء شہید، حسن الہضیبی اور سید قطب شہید کے کارنامے سنا سنا کر گرم رکھا کرتے تھے۔ عمر تلمسانی کا انتقال اخوان کے مرشد و مربی اور ''الدعوۃ'' کے ایڈیٹر کا انتقال نہیں، بلکہ یہ بیسویں صدی کے عظیم انسان کا انتقال تھا، جس نے انتہائی کٹھن حالات میں صبر و استقامت سے اقامت دین کا اہم فریضہ انجام دیا، جس کی حق گوئی، بے باکی، جرأت اور خلوص کا سبھی اعتراف کرتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جسٹس عبدالقادر عودہؒ شہید

دسمبر 1954ء کا سورج طلوع ہوئے ابھی چند گھنٹے ہی ہوئے تھے کہ مصری انقلابی حکومت کے خود ساختہ پیپلز ٹریبونل کے تین ارکان جمال سالم، حسین شافعی اور انور السادات نے کمال مہربانی اور شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جمال عبدالناصر حکومت کے باغی جسٹس عبدالقادر عودہ کو اپنی صفائی پیش کرنے کی اجازت دے دی۔ اگرچہ مقدمے کی کارروائی مکمل ہو چکی تھی، اس کے باوجود یہ صاحب عزیمت شخص نتائج کی پروا کیے بغیر انقلابی کونسل کے گماشتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یوں گویا ہوا:

"کیا ایک جج کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ ایسی دنیا میں بے تعلق ہو کر رہ سکے جہاں قانون ختم کر دیا گیا ہو اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون نافذ کر دیا گیا، جہاں قانون لوٹ کھسوٹ اور جبر و تشدد کے جواز کا آلۂ کار بن کر رہ گیا ہو اور خوشامدی حکومت کے منصب دار ہر طرح کے فوائد سے متمتع ہو سکتے ہوں، اور جہاں نفاق کامیابی کا واحد ذریعہ خیال کیا جاتا ہو اور بد کرداری اور بد اخلاقی کو جاہ و منزلت کی اولین شرط سمجھا جاتا ہو۔۔۔۔ کیا ایک جج یہ بات برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے ملک میں جاہلیت اور آمریت کی حکمرانی ہو۔ زبردست اپنا خون پسینہ ایک کر کے کمائیں اور زبردست گل چھرّے اڑائیں۔ کمزور کو زندہ رہنے کے لیے سوکھی روٹی اور میلا چیتھڑا بھی میسر نہ ہو، اور طاقتور سونے اور چاندی سے دل بہلا رہا ہو، اور اگر کمزور اعتراف کرے تو قانون اس کے خلاف حرکت میں آ جائے۔۔۔۔ کیا ایک جج یہ بات برداشت کر سکتا ہے کہ ملک کے دستور میں تو یہ دفعہ درج ہو کہ مملکت کا مذہب اسلام ہے، لیکن اس کی حکومت اور حکمران اسلام کی کھلم کھلا خلاف ورزیاں کریں اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے بن جائیں۔ **تعاون علی البر و تقوی** کی خواہش رکھنے والے نشانۂ ستم بنیں اور **تعاون علی الاثم و العدوان** کے مرتکب کی سرپرستی کریں۔۔۔۔ ایسے حالات میں ایک جج غیر جانب دار کیسے رہ سکتا ہے"۔

جسٹس عبدالقادر عودہ کے اس ایمان افروز بیان کے بعد پیپلز ٹریبونل کی کارروائی تین دسمبر تک روک دی گئی اور پھر جمال سالم نے اگلے دن 4 دسمبر 1954ء کو صدر عدالت کی حیثیت سے بارہ قیدیوں کو سزائے موت اور نو کو مختلف سزائیں سنائیں۔

ٹھیک چار روز کے بعد چشم فلک نے یہ دردناک منظر بھی دیکھا کہ جسٹس عبدالقادر عودہ رقص کرتا ہوا تختۂ دار کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف روانہ ہوا اور اللہ کی راہ میں شہادت پائی ۔ وہ سینہ تانے تختہ دار کی طرف جا رہا تھا اور بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے شرمندہ و نادم صحافیوں کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''میرا خون انقلاب کے لیے عذاب ثابت ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، جس نے مجھے شہادت کی موت دی''۔

جسٹس کے خلاف فردِ جرم

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبدالقادر عودہ کو پھانسی کی سزا کیوں دی گئی؟ آخر ان کا قصور کیا تھا؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ہمیں اس فردِ جرم کا جائزہ لینا ہوگا جو حکومت کی طرف سے ملزموں کو مہیا کی گئی تھی ۔ اس میں لکھا تھا: ''الاخوان المسلمین کا رویہ فوجی انقلاب کے بارے میں ہمیشہ سے منفی اور معاندانہ رہا ہے۔ انہوں نے شروع دن سے انقلابی تحریک کی مخالفت کی ہے اور اسے ناکام بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے خلاف مسلسل پروپیگنڈا کیا ہے۔ انہوں نے فوج اور پولیس کے اندر اپنی خفیہ تنظیمیں قائم کی ہیں اور حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے ملک گیر سازش تیار کی ہے۔ اس کے علاوہ اخوان کے قائدین نے انگریزوں سے خفیہ گٹھ جوڑ کیا ہے اور ان سے مل کر فوجی حکومت کے خلاف منصوبہ بنایا ہے۔ اس حکومت نے اخوان کو خلافِ قانون قرار دیا ہے۔ کچھ عرصہ بعد انہیں دوبارہ کام کرنے کا موقع دیا گیا، لیکن وہ اپنی سابقہ روش اور جوڑ توڑ سے باز نہ آئے، حتیٰ کہ انہوں نے وزیراعظم جمال عبدالناصر کے قتل کی سازش کی ۔ ان حالات میں یہ امر ناگزیر تھا کہ اخوان کا خاتمہ کر دیا جائے اور مصر کو رجعت پسند عناصر سے پاک کر دیا جائے''۔

الاخوان المسلمین نے انقلاب مصر 1952ء کے لیے جو خدمات سرانجام دی تھیں، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی ۔ انقلاب مصر پر سینکڑوں کتب اور ہزاروں مضامین شائع ہو چکے ہیں ۔ ان تحریروں میں کسی نہ کسی شکل میں انقلاب کی تحریک میں اخوان کی شمولیت اور خدمات مصر کی حالیہ تاریخ کا لازمی جز بن چکی ہیں ۔ جمال عبدالناصر اور اس کے حواری صرف یہ چاہتے تھے کہ اخوان انقلاب کی جدوجہد کے دوران کیے جانے والے وعدوں کی یاددہانی نہ کرائیں اور جو کچھ بھی ہو کریں، ان کی مخالفت نہ کریں ۔ لہٰذا اخوان کی مرکزی قیادت انقلابی کونسل کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی ۔ چنانچہ ان کو راستے سے ہٹانے کے لیے جمال عبدالناصر پر قاتلانہ حملے کا ڈراما رچایا گیا۔

جہاں تک جسٹس عبدالقادر عودہ کا تعلق ہے، انہوں نے 1951ء میں مرشد عام حسن الہضیبی کے حکم پر عدالت عالیہ کی ملازمت کو خیرباد کہہ کر سیاست میں حصہ لینا شروع کیا تھا۔ دیانت، قانونی مہارت اور خداداد صلاحیت کے سبب آپ کا شمار جلد ہی اخوان کے صف اول کے قائدین میں ہونے لگا۔ اس وقت مصر کے سیاسی حالات نہایت ابتر ہو چکے تھے۔ انگریزوں کے خلاف نفرت میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ پوری سرگرم انگریزوں کو وطن سے نکالنے کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد و منظم تھی ۔ شاہ فاروق اور اس کے حامی انگریزوں کے وجود کو اپنے لیے نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے۔ ان حالات میں اخوان نے نہر زون کے علاقے میں مقیم برطانوی فوج کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جسٹس عبدالقادر عودہ کو ملازمت سے فارغ کرنے کا پس منظر بھی یہی تھا۔ اس سلسلے میں اخوان نے پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف رضا کاروں کی بھرتی کے لیے کیمپ قائم کیے اور بہت جلد ہی تین صد رضا کاروں کا پہلا دستہ مصری باقاعدہ فوج کے ساتھ مل کر جہاد میں مصروف ہو گیا۔ جنگ فلسطین کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اخوان کو فوج کے ساتھ یوں آزادانہ کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ شیخ عبدالقادر عودہ رضا کاروں کو اسلحے کی سپلائی کے نگران تھے۔ فوج کے نوجوان افسروں سے خاص طور پر جمال عبدالناصر، عبدالحکیم عامر، سالم برادران، زکریا محی الدین، خالد محی الدین اور انور سادات وغیرہ سے ان کا اکثر رابطہ رہتا تھا۔ جنرل نجیب، جمال عبدالناصر، انور السادات، شاہ فاروق وغیرہ سبھی اپنی یادداشتوں میں تسلیم کرتے ہیں کہ اخوان کی مدد کے بغیر جولائی 1952ء کا انقلاب کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا تھا۔ انقلاب کی منصوبہ بندی کرتے وقت یہ طے ہوا تھا کہ اگر نہر زون کے علاقے میں مقیم برطانوی فوجی دستے یا شاہ فاروق کی سیاسی پولیس مزاحمت کریں یا کسی اور وجہ سے انقلاب کی کامیابی مشکوک نظر آئے یا کوئی ادارہ انقلاب کے راستے میں رکاوٹ بنے تو انقلابی کونسل کے ''جیالوں'' کو محفوظ مقامات تک پہنچانے، بیرون ملک فرار کرانے یا مقابلے کی صورت میں اخوان رضا کار دستے مزاحمتی حصار قائم کریں گے۔

یہ نازک ذمہ داری بھی جسٹس عبدالقادر عودہ کے سپرد کی گئی تھی۔ آپ اخوانی کمانڈوز کے سپریم کمانڈر تھے، جن کا کام ہر صورت میں انقلاب کو کامیاب بنانا تھا۔ عبدالقادر شہید اخوان المسلمین میں شامل ہونے سے پہلے کوئی غیر معروف شخصیت نہیں تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ حربی میدان میں ان کے اصل جوہر تو اب کھل رہے تھے۔ نوجوان افسر عبدالقادر عودہ کی صلاحیتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس پر یہ بات انقلاب ہی کے دنوں میں عیاں ہو گئی تھی کہ انقلاب کے بعد اگر اخوان فوج سے مطمئن نہ ہوئے تو سخت مزاحمت ہو گی۔ اس سلسلے میں انہیں دو جسٹسوں یعنی حسن الہضیبی اور عبدالقادر عودہ سے زیادہ خطرہ تھا۔ انقلاب کے بعد اخوان یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب تھے کہ فوج واپس بیرکوں میں چلی جائے اور معمول کی پارلیمانی زندگی شروع کی جائے۔ اس طرح ملک میں اسلامی نظام کی راہ ہموار ہو گئی۔ لیکن جمال عبدالناصر اور اس کا سازشی ٹولہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ اخوان اور انقلابی کونسل ہنی مون کا پہلا سال خیریت سے گزرا۔ انقلابی کونسل نے الاخوان المسلمین کو مطمئن کرنے کے لیے سو ارکان پر مشتمل دستور یہ تشکیل دی، جس میں الاخوان المسلمین کے تین ارکان یعنی جسٹس عبدالقادر عودہ، استاد صالح عشماوی اور محمد کمال خلیفہ شامل کیے گئے۔ عبدالقادر عودہ نے دستور کمیٹی کے سامنے اسلامی دستور تشکیل کے لیے ٹھوس تجاویز اور بنیادی اصول، جن پر دستور کا ڈھانچہ ترتیب دینا تھا، فراہم کیے۔ اس کے علاوہ بنیادی حقوق کی کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے خواتین کے حقوق کے ضمن میں بعض غلط فہمیوں کو بھی دور کیا۔ دستوری کمیٹی جس انداز سے کام کر رہی تھی، اخوانی نمائندوں نے بہت جلد ہی محسوس کر لیا کہ انقلابی کونسل انہیں صرف ''لالی پاپ'' دے کر ٹرخا رہی ہے۔ ایسی طفل تسلیاں تیسری دنیا کے فوجی حکمران سیاست دانوں کو بے وقوف بنانے کے لیے ہمیشہ سے دیتے رہے ہیں۔ حقیقت میں اندرون خانہ کچھ اور ہی منصوبہ بندی کی جا رہی تھی چنانچہ پہلے جنرل نجیب کو نہایت گھٹیا طریقے سے رخصت کیا گیا اور پھر اخوان پر ہاتھ ڈالا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالاتِ زندگی

عبدالقادر عودہ 1907ء میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ 1935ء میں کلیۃ الحقوق سے امتیازی حیثیت سے قانون کا امتحان پاس کیا اور محکمۂ قانون میں ملازمت اختیار کر لی۔ 1942ء میں آپ اسماعیلیہ میں جج کی حیثیت سے تعینات تھے کہ آپ کو حسن البنا کی نشست پر پریذائڈنگ افسر مقرر کیا گیا۔ اس حیثیت سے آپ نے انگریزوں سعد پارٹی اور وفد پارٹی کو اپنے حلقے میں گڑبڑ نہیں کرنے دی۔ انتخابات کے موقع پر آپ پہلی مرتبہ اخوانی کارکنوں کے حسن اخلاق اور اپنے مرشد عام سے محبت کی بناء پر متاثر ہوئے۔ 1949ء میں آپ نیشنل کورٹ کے جج تھے کہ حسن البناء کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اسی سال آپ حسن الہضیبی کی دعوت پر الاخوان المسلمین میں شامل ہوئے۔ سرکاری ملازم کی حیثیت سے آپ کی رکنیت خفیہ رکھی گئی۔ 1951ء میں مرشد عام حسن الہضیبی کے حکم پر آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اپنے آپ کو اخوان کے لیے وقف کر دیا۔ جلد ہی الاخوان المسلمین کی گائیڈنس کونسل اور مشاورتی اسمبلی نے آپ کو الاخوان المسلمین کا ڈپٹی لیڈر منتخب کیا۔ اخوان کے اپنے لیڈر کی حیثیت سے آپ الاخوان المسلمین کو انقلاب مصر 1952ء سے پہلے کے بحران اور پھر انتخابات کے بعد کے بحران سے نکالنے کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ انقلابی کونسل کی بدنیتی کے سبب آپ کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں اور بالآخر آپ کو اپنی جان کا نذرانہ دینا پڑا۔

جسٹس عبدالقادر عودہ کا شمار جدید مغربی قانون اور اسلامی فقہ کے ماہرین میں ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب ''التشریع الجنائی الاسلامی'' 1951ء میں فوادادل انعام کی مستحق ٹھہرائی گئی۔ انعام دینے والی کمیٹی نے شرط یہ لگائی کہ اگر مصنف مذکورہ خاندانی ملکیت کے بارے میں چند فقرے حذف کر دیں تو انہیں ایک ہزار مصری پونڈ کا انعام دے دیا جائے گا۔ عبدالقادر عودہ نے انکار کر دیا۔ یوں انعام کے مستحق ٹھہرائے جانے کے باوجود انعام حاصل نہ کر سکے۔ یہ کتاب آپ نے 1949ء میں تحریر کی تھی۔ آپ کی بعض تصانیف یہ ہیں:۔

1۔ الاسلام واوضاعنا القانونیۃ

2۔ الاسلام واوضاعنا السیاسیۃ

3۔ المال والحکم فی الاسلام

جسٹس عبدالقادر عودہ کا شمار مصر کے ان چیدہ چیدہ افراد میں ہوتا ہے جو بین الاقوامی قانون، خاص طور پر فرانسیسی قانون میں مہارت رکھتے تھے۔ وکلاء، اساتذہ، دانشوروں اور عدلیہ کے ججوں میں آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ قانون کے تقابلی مطالعے پر آپ کی کتابیں ''التشریع الجنائی الاسلامی'' اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ جج فیصلے کرتے وقت اس کتاب سے رہنمائی لیتے ہیں اور اپنے فیصلوں میں اس کتاب کا بطور خاص حوالہ دیتے ہیں۔

انقلابی کونسل کے بائیں بازو کے ارکان جنرل نجیب اور عبدالقادر عودہ کو اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ جنرل نجیب انقلاب مصر 1952ء کے اصل ہیرو تھے۔ انقلاب کے بعد مصر کے پہلے صدر مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر وہی تھے۔ انقلابی کونسل نے انہیں اعتماد میں لیے بغیر 15 جنوری 1954ء کو اخوان پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پابندی لگا دی۔ جب جنرل نجیب نے احتجاج کیا تو 23 فروری 1954ء کو انہیں زبردستی فارغ کر دیا گیا۔ ان دو واقعات کا عبدالقادر عودہ کی شہادت سے گہرا تعلق ہے۔ انقلابی کونسل کے اس اقدام سے فوج اور عوام میں ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ 27 فروری کو اخوانی طلبہ نے جنرل نجیب کے حق میں جلوس نکالا۔ جلوس کے شرکاء انقلابی کونسل کے خلاف نعرے لگا رہے تھے اور جنرل نجیب سے ملاقات کے خواہاں تھے۔ خدیو اسماعیل پل پر جلوس کے ایک حصے کو پولیس نے آگے بڑھنے سے روکا اور گولی چلا دی۔ جلوس کا ایک اور حصہ عبدالقادر عودہ کی قیادت میں قصر عابدین پہنچ گیا۔ جنرل نجیب نے قصر عابدین کی بالکونی پر کھڑے ہو کر جلوس سے خطاب کیا۔ اچانک اس کی نظر عبدالقادر پر پڑی۔ جنرل نجیب نے انہیں بالکونی پر بلوایا۔ عبدالقادر عودہ اس حالت میں بالکونی پر گئے کہ ان کے ہاتھ میں زخمی طلبہ کے خون سے بھرا ہوا رومال تھا۔ انہوں نے ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''آپ لوگوں نے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا ہے اور مطالبات پیش کر دیئے ہیں۔ اب آپ لوگ گھروں کو چلے جائیں''۔

شیخ عمر تلمسانی نے لکھا ہے: ''عبدالقادر کا یہ کہنا تھا کہ چند منٹوں کے اندر میدان عابدین یوں خالی ہو گیا کہ گویا وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ اس پر جمال عبدالناصر نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ عبدالقادر کی مقبولیت اس کی حکومت کے لیے کسی بھی وقت خطرہ بن سکتی ہے۔ چنانچہ اسی دن پولیس نے 117 اشخاص کو گرفتار کر لیا جن میں عبدالقادر عودہ بھی شامل تھے''۔

اخوان کے چوتھے مرشد عام

سیّد محمد حامد ابوالنصر

مئی 1986ء میں الاخوان المسلمون کے تیسرے مرشد عام شیخ عمر تلمسانی کے انتقال کے بعد مکتب ارشاد نے اپنے ایک سینئر رکن سیّد محمد ابوالنصر کو اتفاق رائے سے نیا مرشد عام منتخب کیا۔

سیّد محمد حامد 25 مارچ 1913ء کو دریائے نیل کے مغرب میں مصر سعید کے ایک شہر منفلوط میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک متوسط مگر خوشحال زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ گھرانہ طویل عرصے سے اپنی سیاسی و سماجی خدمات اور انگریز دشمنی کی وجہ سے عوام میں مقبول چلا آ رہا ہے۔ آپ کے دادا علاقے کی ایک نہایت معزز مذہبی اور سماجی شخصیت تھے جن کا شمار کرنل احمد عرابی پاشا کے ان قابل اعتماد دوستوں میں ہوتا تھا، جنہوں نے 1876ء میں ایک خفیہ تنظیم ''الحزب الوطنی'' قائم کی تھی اس تنظیم نے اپنے قیام کے فوراً بعد جذبہ قومیت ابھارنے اور حکومت کی اہم پالیسیوں میں برطانوی مداخلت اور انتظامی شعبوں میں برطانوی اور فرانسیسی اثر و رسوخ کے خلاف احتجاج کا سلسلہ شروع کیا۔ جس نے 1879ء میں ایک زبردست تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی۔ 1880ء میں خدیو توفیق نے قوم پرستوں کی سرگرمیوں سے تنگ آ کر پورے ملک سے اس تنظیم کے سینکڑوں لیڈر اور کارکن گرفتار کیے، جن میں آپ کے دادا بھی شامل تھے۔ انہیں ان کے دینی اور سماجی رتبے کے پیش نظر گھر میں نظر بند کیا گیا۔ پھر اس نظر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ